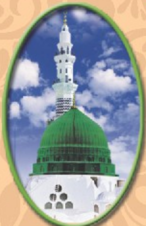

ماہنامہ

دخترانِ اسلام لاہور

اگست 2025ء

جشنِ عیدِ میلادالنبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرعی دلیل

شیخ الاسلام کی کتاب ’’معمولاتِ میلاد‘‘ سے اقتباس

سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کی حیاتِ مبارکہ

ماں قدرت کا انمول تحفہ

ماہ صفر، توہم پرستی، اشکال کا ازالہ

شجر کاری ایک دینی و قومی فریضہ

پروفیسر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کی معرکہ آراء تصانیف

پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری کی معرکہ آراء تصانیف

خواتین میں بیداریٔ شعور و آگہی کیلئے کوشاں

ماہنامہ دخترانِ اسلام لاہور

جلد: 32 شمارہ: 7 / صفر/ربیع الاوّل ۱۴۴۷ھ / اگست 2025ء

زیرِ سرپرستی
بیگم رفعت جبین قادری

چیف ایڈیٹر
قرۃ العین فاطمہ

فہرس

اداریہ (پاکستان قدرت کا معجزہ ہے)		06
خطاب میلادالنبی ﷺ منانا آپ ﷺ کی سنتِ مبارکہ	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	08
جشنِ میلادالنبی ﷺ کی شرعی دلیل		19
سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کی حیاتِ مبارکہ	عائشہ قیوم	25
وطن سے محبت (اسوۂ رسول ﷺ کی روشنی میں)	ساجدہ کوثر نعیمی	32
ماہ صفر، توہم پرستی، اشکال کا ازالہ	شہناز بیگم	36
ماں قدرت کا انمول تحفہ	محمد آصف	44
شجر کاری ایک دینی و قومی فریضہ	ارشاد اقبال اعوان	50
Firmness, and Courage of Women in Karbala (Sadaf Maqbool)		55

ڈپٹی ایڈیٹر
جویریہ افضل

مجلسِ مشاورت
لبنیٰ مشتاق
ارشاد اقبال اعوان
نور اللہ صدیقی
ڈاکٹر شاہدہ مغل
ڈاکٹر فرخ سہیل
مسز فریدہ سجاد
ڈاکٹر محمد اقبال چشتی

رائٹرز فورم
آسیہ سیف، سعدیہ کریم
جویریہ سحر ش، جویریہ وحید
ماریہ عروج، سُمیّہ اسلام

کمپیوٹر آپریٹر: محمد اشفاق انجم گرافکس: عبدالسلام
فوٹوگرافی: قاضی محمودالاسلام

مجلّہ دخترانِ اسلام میں آنے والے جملہ پرائیویٹ اشتہار خلوصِ نیت سے شائع کئے جاتے ہیں، ادارہ کی کسی کاروبار میں شراکت ہے اور نہ ہی ادارہ فریقین کے درمیان کسی بھی قسم کے لین دین کا ذمہ دار ہوگا۔

بدلِ اشتراک

قیمت فی شارہ -60 روپے
آسٹریلیا، کینیڈا، مشرقِ بعید، امریکہ 15 ڈالر
مشرقِ وسطیٰ، جنوب مشرقی ایشیا، یورپ، افریقہ 12 ڈالر
سالانہ خریداری -700 روپے

رابطہ ماہنامہ دخترانِ اسلام 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور | فون نمبرز: 042-5169111-3 فیکس نمبر: 042-35168184
E-mail:sisters@minhaj.org
Visit us on: www.minhaj.info

فرمانِ الٰہی

تَبٰرَکَ الَّذِیْ بِیَدِهِ الْمُلْکُ ز وَهُوَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرُ. نِالَّذِیْ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوةَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلاً ط وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْغَفُوْرُ. الَّذِیْ خَلَقَ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا ط مَا تَرٰی فِیْ خَلْقِ الرَّحْمٰنِ مِنْ تَفٰوُتٍ ط فَارْجِعِ الْبَصَرَ هَلْ تَرٰی مِنْ فُطُوْرٍ. ثُمَّ ارْجِعِ الْبَصَرَ کَرَّتَیْنِ یَنْقَلِبْ اِلَیْکَ الْبَصَرُ خَاسِئًا وَّهُوَ حَسِیْرٌ.

(الملک، ۶۷: ۱ تا ۴)

”وہ ذات نہایت بابرکت ہے جس کے دستِ (قدرت) میں (تمام جہانوں کی) سلطنت ہے، اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے۔ جس نے موت اور زندگی کو (اس لیے) پیدا فرمایا کہ وہ تمہیں آزمائے کہ تم میں سے کون عمل کے لحاظ سے بہتر ہے، اور وہ غالب ہے بڑا بخشنے والا ہے۔ جس نے سات (یا متعدّد) آسمانی کرّے باہمی مطابقت کے ساتھ (طبق دَر طبق) پیدا فرمائے، تم (خدائے) رحمان کے نظامِ تخلیق میں کوئی بے ضابطگی اور عدمِ تناسب نہیں دیکھو گے، سو تم نگاہِ (غور و فکر) پھیر کر دیکھو، کیا تم اس (تخلیق) میں کوئی شگاف یا خلل (یعنی شکستگی یا انقطاع) دیکھتے ہو۔ تم پھر نگاہِ (تحقیق) کو بار بار (مختلف زاویوں اور سائنسی طریقوں سے) پھیر کر دیکھو، (ہر بار) نظر تمہاری طرف تھک کر پلٹ آئے گی اور وہ (کوئی بھی نقص تلاش کرنے میں) ناکام ہوگی۔“

فرمانِ نبوی ﷺ

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضی اللہ عنہ أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قَالَ: أَتَدْرُوْنَ مَا الْغِيْبَةُ؟ قَالُوْا: اللهُ وَرَسُوْلُهُ أَعْلَمُ. قَالَ: ذِكْرُكَ أَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ. قِيْلَ: أَفَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ فِي أَخِي مَا أَقُوْلُ؟ قَالَ: إِنْ كَانَ فِيْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدِ اغْتَبْتَهُ. وَإِنْ لَمْ يَكُنْ فِيْهِ، فَقَدْ بَهَتَّهُ. رَوَاهُ مُسْلِمٌ وَالتِّرْمِذِيُّ. وَقَالَ أَبُوْعِيْسَى: هَذَا حَدِيْثٌ حَسَنٌ صَحِيْحٌ.

”حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تم جانتے ہو کہ غیبت کیا ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: (غیبت یہ ہے کہ) تم اپنے (مسلمان) بھائی کا اس طرح ذکر کرو کہ جسے وہ ناپسند کرتا ہے۔ عرض کیا گیا: (یا رسول اللہ!) اگر وہ بات میرے اس بھائی میں پائی جاتی ہو جو میں کہہ رہا ہوں (تو کیا پھر بھی غیبت ہے؟) آپ ﷺ نے فرمایا: اگر وہ بات اس میں ہے جو تم کہہ رہے ہو تو یہی تو غیبت ہے اور اگر (وہ بات) اس میں نہیں تب تو تم نے اس پر بہتان لگایا۔“

(المنہاج السوی من الحدیث النبوی ﷺ، ص ۸۷۳)

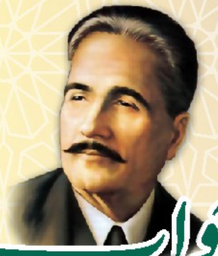

خواب

نکل کر خانقاہوں سے ادا کر رسمِ شبیری
کہ فقرِ خانقاہی ہے فقط اندوہ و دلگیری
ترے دین و ادب سے آ رہی ہے بوئے رہبانی
یہی ہے مرنے والی امتوں کا عالمِ پیری

(علامہ محمد اقبالؒ)

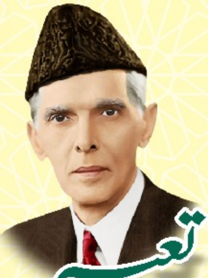

تعبیر

پاکستان کی داستان اس کے لئے کی گئی جدوجہد اور اس کا حصول رہتی دنیا تک انسانوں کے لئے رہنماء رہے گی کہ کس عظیم مشکلات سے نبرد آزما ہوا جاتا ہے۔

(قائدِ اعظم محمد علی جناحؒ، چٹا گانگ، 23مارچ1948ء)

تکمیل

حسد و بغض کے سبب بنی اسرائیل نے رسالت محمدی ﷺ کا انکار کردیا اور کفارِ مکہ معجزات دیکھنے کے باوجود آپ ﷺ پر ایمان نہیں لائے تو آج جب نبوت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے بند ہے اور معجزات بھی رونما نہیں ہوسکتے تو یہ حسد و بغض، برتری و فوقیت کی خواہش اور اقتدار کی طلب کیا کچھ کرواتی ہوگی، اس کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

(خطاب ڈاکٹر محمد طاہر القادری، حسد و عناد حق کے انکار کا سبب بنتا ہے، جون2024ء)

اداریہ

پاکستان قدرت کا معجزہ ہے

پاکستان کا وجود میں آنا ایک تاریخی اور غیر معمولی واقعہ ہے۔ پاکستان کے قیام کو قدرت کا ایک معجزہ قرار دیا جاتا ہے۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ پاکستان تو کیا اس کے نام سے بھی دشمنی کا آغاز ہو گیا تھا۔ پاکستان کے مطالبہ پر ہر طرف سے طنز کے نشتر چلائے جاتے تھے اور پاکستان کے قیام کی جدوجہد کو ختم کرنے کے لئے ہر ہتھکنڈا بروئے کار لایا گیا، پاکستان کے دشمن چاہتے تھے کہ مسلمان مایوس ہو کر قانون ہاتھ میں لیں اور اس پرامن تحریک کو تشدد کے راستے پر ڈال دیں تاکہ اس تحریک کو کچلنا اور ختم کرنا آسان ہو جائے۔ بانیٔ پاکستان قائداعظم محمد علی جناحؒ نے اس سازش کو بھانپ لیا تھا کہ تشدد کے راستے پر چل کر پاکستان کو حاصل کرنا ناممکن ہے لہٰذا انہوں نے برصغیر کے مسلمانوں کو ہر موقع پر پرامن رہنے اور پرامن سیاسی جدوجہد پر قائل کیا۔ یہاں پر حکیم الامت علامہ محمد اقبالؒ کو بھی خراج تحسین پیش کیا جاتا ہے کہ جنہوں نے دو قومی نظریہ کے ذریعے اسلامیان برصغیر کو ایک نظریاتی لائحہ عمل دیا۔ یہ نظریاتی لائحہ عمل تحریک پاکستان کی بنیاد بنا۔ اس امر میں کوئی شبہ نہیں کہ غاصب انگریز اور ہندو اکثریت نے مسلمانوں کو ارادتاً حصولِ علم اور اقتصادی دوڑ سے باہر رکھا ہوا تھا اور اُنہیں دوسرے اور تیسرے درجے کا شہری بنا

دیا گیا تھا۔ جب بانیٔ پاکستان نے فرمایا کہ کہ الگ وطن میں نہ صرف ہم اپنی دینی اقدار و تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کر سکیں گے بلکہ معاشی، اقتصادی اعتبار سے بھی آگے بڑھ سکیں گے اور الگ وطن میں کوئی شخص، کوئی ادارہ یا کوئی جماعت ہمیں آزادانہ زندگی بسر کرنے سے نہیں روک سکے گی۔ خواتین اقلیتیں، مزدور کسان سب اپنی اپنی خداداد صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر فرد اور معاشرے کی خوشحالی کو یقینی بنائیں گی تو بانیٔ پاکستان کے اس بیانیہ نے ہر مسلمان کے دل میں الگ وطن کی محبت کی ایسی شمع روشن کی کہ ہر زبان پر پاکستان کا مطلب کیا'' لا الہ الا اللہ'' کا نعرہ گونجنے لگا۔ بانیٔ پاکستان کی سب سے بڑی کامیابی اُمت مسلمہ کو ایک سوچ اور لائحہ عمل پر اکٹھا کرنا تھا۔ تحریک پاکستان میں خواتین نے اہم کردار ادا کیا، خواتین نے عوامی جلسوں اور ریلیوں میں شرکت کر کے برصغیر بھر کی خواتین کو متحرک کیا اور اس تحرک کو سیاسی قوت میں بدل دیا۔ خواتین نے 23 مارچ 1940ء کے جلسہ کی کامیابی اور قرارداد لاہور کی منظوری میں بڑا نمایاں کردار ادا کیا۔ اس حوالے سے بانیٔ پاکستان کی ہمشیرہ پاکستان کی محسنہ فاطمہ جناحؒ کو بھی خراج تحسین پیش کیا جاتا ہے کہ جنہوں نے اپنی زندگی پاکستان کے لئے وقف کر رکھی تھی۔ محترمہ فاطمہ جناح نے گھر گھر جا کر قومی و دینی جذبہ بیدار کیا اور پاکستان مخالف بیانیہ کو اتحاد و یکجہتی کی قوت سے مسترد کر دیا۔ پاکستان اس لئے حاصل کیا گیا تھا کہ یہاں ہر شخص برابری کی بنیاد پر ترقی کی دوڑ میں شامل ہوگا۔ اگرچہ یہ خواب ہنوز تشنہ تعبیر ہے مگر یہاں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری جیسی نابغۂ روزگار ہستیوں کو اُن کی بے مثال محنت پر اُنہیں خراج تحسین پیش کیا جاتا ہے کہ جو بانیٔ پاکستان کے خواب کو حقیقت کی تعبیر دینے کے لئے عملی اقدامات اٹھا رہے ہیں۔ شیخ الاسلام نے ویمن امپاورمنٹ کے لئے خواتین کے لئے بے مثال تعلیمی ادارے قائم کئے جہاں سے ہر سال ہزاروں خواتین اعلیٰ تعلیم کے زیور سے آراستہ ہو کر وطن عزیز کی تعمیر و ترقی میں حصہ لے رہی ہیں۔ شیخ الاسلام نے دین اسلام کی حقیقی تعلیمات کو عام کرنے کے لئے منہاج القرآن کے پلیٹ فارم سے ایک ایسی دینی خدمت انجام دی جس کا اعتراف شرق و غرب میں ہو رہا ہے۔ آپ نے تشدد، انتہا پسندی اور فرقہ واریت سے پاک اسلام کے لئے بہت سارے محاذوں پر کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ اللہ رب العزت پاکستان کو تا قیامت قائم و دائم رکھے اور بانیٔ پاکستان نے کروڑوں مسلمانوں کے ساتھ مل کر اس کی ترقی و خوشحالی کا جو خواب دیکھا تھا اللہ رب العزت اُسے جلد سے جلد شرمندۂ تعبیر کرے۔

(چیف ایڈیٹر: دختران اسلام)

جشنِ عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرعی دلیل

شیخ الاسلام کی کتاب ''معمولاتِ میلاد'' سے اقتباس

احکام اِلٰہیہ سے مستنبط اُصول و قوانین ہر شرعی عمل کی اساس ہیں اور ہر عمل سنت رسول اللہ ﷺ کی بنیاد پر استوار ہے۔ یہی اس دین کی حقانیت و صداقت کی وہ بین دلیل ہے جو اسے دیگر ادیان باطلہ سے ممتاز کرتی ہے۔ اس ضمن میں ہم میلاد النبی ﷺ کو بہ طور عید منانے اور اظہار مسرت کرنے کی بابت تفصیلی بحث کر چکے ہیں، لیکن ایسے حضرات کے لیے جو بلاوجہ میلاد شریف کے موقع پر فتویٰ بازی سے جمہور مسلمانوں کو کفر و شرک اور بدعت کا مرتکب ٹھہراتے ہیں اور ہر بات پر قرآن و سنت سے دلیل طلب کرتے ہیں اُن کے دل و دماغ تنگ نظری کا شکار ہیں اور وہ بزعم خویش یہ سوچتے ہیں کہ اس عمل کا کوئی شرعی ثبوت نہیں؟ اُن سے بہ قول اقبال بس اتنی گزارش ہے:

دل بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور، دل کا نور نہیں

میلاد النبی ﷺ ایم جیسی نعمت عظمیٰ پر شکرانے کے ثبوت طلب کرنے والے نادان اور کم نصیب لوگوں نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ زندگی میں ہزارہا دنیاوی خوشیاں مناتے وقت کبھی قرآن و حدیث کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھ لیں کہ اس کا ذکر ان میں ہے یا نہیں؟

1۔ کیا ایسا نہیں ہوتا کہ جب کبھی ایک مدت کے بعد اولاد پیدا ہو تو مٹھائیاں بانٹی جاتی اور دعوتیں دی جاتیں ہیں؟ کیا اُس وقت بھی کتب حدیث اٹھا کر یہ ثبوت طلب کیا جاتا ہے کہ آیا حضور نبی اکرم ﷺ یا کسی صحابی نے بیٹوں کی پیدائش پر مٹھائی بانٹی تھی؟

2۔ ہر سال اپنے بچوں کی سالگرہ پر ہزاروں لاکھوں کی ضیافتیں کرنے والوں نے کیا کبھی قرآن و حدیث سے اس بارے میں بھی ثبوت تلاش کیا ہے؟

3۔ عام معمول ہے کہ جب کسی کی شادی قریب ہوتی ہے تو کئی کئی مہینے اس کی تیاریوں میں گزرتے ہیں۔ اشتہار اور دعوتی کارڈ چھپوائے جاتے ہیں، رسم و رواج اور تبادلہ تحائف پر لاکھوں روپے اڑائے جاتے ہیں۔ اچھے کپڑے پہنے جاتے ہیں۔ ولیمہ پر لاکھوں روپے خرچ ہوتے ہیں، اپنے خویش و اقارب اور دوست واحباب کی حتی الوسع خدمت کی جاتی ہے۔ کیا اس موقع پر بھی ہم نے کبھی قرآن و حدیث سے دلیل طلب کی کہ شادیوں پر آقائے دو جہاں ﷺ نے یا ان کے غلاموں نے ایسی خوشیاں منائی تھیں یا نہیں؟ کیا انہوں نے بھی اتنے مہنگے اور پر تکلف کھانے تیار کرائے تھے؟ یہاں اس لیے ثبوت طلب نہیں کیے جاتے کہ اپنے بیٹے یا بیٹی کی شادی کا معاملہ ہے اور بات اپنے گھر تک پہنچتی ہے مگر میلاد النبی ﷺ ہم پر ثبوت یاد آجاتا ہے کیوں کہ یہ حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت کا معاملہ ہے۔

ہر سال اپنے بچوں کی سالگرہ پر ہزاروں، لاکھوں کی ضیافتیں کرنے والوں نے کیا کبھی قرآن وحدیث سے اس بارے میں ثبوت تلاش کرنے کی کوشش کی

4۔ ۲۳ مارچ کو آزادی کے حصول کے لیے قرارداد پاس ہوئی اور جدوجہد آزادی کا آغاز ہوا تھا۔ اس کی خوشی میں ہر سال ملک کے طول و عرض میں سرکاری و غیر سرکاری سطح پر تقریبات، جشن اور محافل کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ جس دن - ۱۴ اگست - غیروں کے تسلط سے آزادی ملی اور مملکت خداداد پاکستان کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی نعمت ملی تو اُس دن ہر سال پورے ملک کو دلہن کی طرح سجایا جاتا ہے، بے پناہ وسائل خرچ ہوتے ہیں، جگہ جگہ جہازوں، ٹینکوں اور گاڑیوں کی سلامی دی جاتی ہے، گارڈ آف آنر پیش ہوتے ہیں۔ یوم دفاع (۶ ستمبر) کی خوشی میں پاک فوج کی جنگی مشقیں دیکھنے کے لیے مخصوص مقامات پر اجتماعات ہوتے ہیں۔ یہ سب امور اگرچہ درست ہیں مگر ان قومی تہواروں کے لیے عہد نبوی ﷺ اور عہد صحابہ سے ثبوت تلاش نہیں کیے جاتے۔

5۔ بابائے قوم قائد اعظم محمد علی جناح اور حصول آزادی کی جدوجہد میں کام کرنے والے رہنماؤں کے یوم ولادت پر پورے ملک میں عید کا سا سماں ہوتا ہے۔ دفاتر تعلیمی اور صنعتی ادارے بند کر

دیے جاتے ہیں۔ جلسوں کا انعقاد کیا جاتا ہے۔ ان کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالنے کے لیے دور دور سے دانش وروں اور زعماء کو بڑے اہتمام سے دعوتیں دے کر بلوایا جاتا ہے اور ان کی شان میں قصیدہ خوانی کی جاتی ہے۔ لیکن یہاں قرآن و حدیث یا اُسوۂ صحابہؓ سے کسی ثبوت کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ اس لیے کہ بجا طور پر سمجھا جاتا ہے کہ ملک و قوم کے رہبروں کی ملی خدمات کو سراہا جانا چاہیے لیکن پوری انسانیت بلکہ کائنات ہست و بود کے محسن اعظم ﷺ کا یوم ولادت آئے تو اُن کی یاد میں محافل میلاد اور خوشی کرنے پر ہمیں ثبوت یاد آنے لگتے ہیں اور دلیلیں طلب کرنا بھی ضروری سمجھا جاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خانؒ اس حوالے سے کیا خوب لکھتے ہیں:

اور تم پر مرے آقا کی عنایت نہ سہی
نجدیو! کلمہ پڑھانے کا بھی احسان گیا

6۔ جب ملک کا یوم تاسیس آئے یا بیرون ملک سے کوئی مہمان آئے (خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم اُسے اکیس توپوں کی سلامی دی جائے تو اُس وقت قرآن و حدیث سے جواز تلاش نہیں کیا جاتا۔

7۔ ملک کے صدر، سربراہ ریاست یا بہت بڑے لیڈر کے انتقال پر بڑے اعزاز کے ساتھ اُس کی تدفین عمل میں آتی ہے، اُس کی وفات پر سوگ کے جلوس نکالے جاتے ہیں، میت پر ماتمی دھنوں سے بینڈ باجے، توپوں کی سلامی ہوتی ہے، پھولوں کی چادریں چڑھتی ہیں، گل پاشیاں اور نہ جانے کیا کیا تقریبات ہوتی ہیں۔ علماء و غیر علماء سب ان تقریبات میں شریک ہوتے ہیں مگر کسی نے کبھی فتویٰ صادر نہیں کیا۔ سنت رسول ﷺ ملی کام اور اسوہ صحابہؓ سے کبھی سند تلاش نہیں کی۔ اس لیے کہ اس میں ملک کا اعزاز اور مرحوم لیڈر کی خدمات کا اعتراف تھا، اپنی جذباتی وابستگی کا اظہار تھا اور اقوام عالم کے سامنے اپنے قومی وقار کا مسئلہ تھا۔ یہ سب کچھ ٹھیک ہے اور ہمارے نزدیک بھی یہ غلط نہیں ہے۔ ایسا ہونا چاہیے مگر امر زیر بحث یہ ہے کہ کسی صدر مملکت کے لیے ایسا اہتمام ہو تو کوئی ثبوت نہیں مانگے جاتے لیکن باعث موجودات حضرت محمد علیہ الصلوات والتسلیمات کے یوم ولادت کے سلسلے میں دلائل اور فتووں کا مطالبہ کیا جاتا ہے۔ آقائے

> **محفل میلاد کے تقاضوں میں خلوص وتقویٰ کیساتھ ساتھ ظاہری و باطنی طہارت بھی انتہائی ضروری ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم طہارت اور پاکیزگی کا بے حد خیال فرماتے تھے**

دو جہاں رحمۃ للعالمین ﷺ کی آمد کا دن آئے تو خوشی منانے کے لیے دلائل و براہین اور ثبوت مانگے جائیں، اس کا صاف مطلب ہے کہ باقی ہر موقع پر خوشی تھی بس حضور نبی اکرم ہم کے معاملے میں دل احساسِ مسرت سے محروم ہو گیا اور حکم خداوندی۔ فَلْيَفْرَحُوا هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُونَ، یاد نہ رہا۔ اعمال حسنہ عبادت وریاضت میں کثرت ذکر پر بھروسہ کافی محسوس ہونے لگا اور دل اس احساس سے خالی ہو گیا کہ دنیا کی سب سے پیاری، سب سے معظم اور سب سے زیادہ واجب التعظیم ہستی آقا ﷺ ہیں۔ ان کی محبت ایمان کی اساس ہے اور ایمان دل کی وہ حالت ہے جسے کیفیت یا حال کہتے ہیں، جسے لگن بھی کہتے ہیں اور لگاؤ بھی، محبت بھی کہتے ہیں اور محبت کا الاؤ بھی۔ یہ الاؤ دل میں جل اٹھے تو مومن اپنی زندگی کے ہر لمحے کو عید میلاد بنا کر مناتا رہے اور اپنے در و دیوار کو آخرت کا گھر سمجھ کر سجاتا رہے۔ ہم سب کو یہ جان لینا چاہیے کہ ان خشک و بے مغز عبادتوں کے ذخیروں کے مقابلے میں حضور ﷺ کی آمد پر خوشی کرنا اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں زیادہ افضل عمل ہے۔

افسوس کہ کفر و شرک کے فتاویٰ صادر کرنے والے منکر میلاد بدعتیوں نے اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کی خوشیوں پر لاکھوں روپے خرچ کر دیے تو کوئی چیز رکاوٹ نہ بنی لیکن محبوب ﷺ کا ماہ ولادت جلوہ فگن ہوا تو اس کے اہتمام پر خود خرچ کرنے کی بجائے دوسروں کو بھی اس سے منع کرتے رہے۔ یاد رہے کہ کوئی خوشی آقائے دو جہاں ﷺ کی آمد کی خوشی سے بڑی نہیں، اس کے مقابلے میں دنیا و جہان کی ساری خوشیاں ہیچ ہیں۔

محافلِ میلاد مصطفی ﷺ کے انعقاد کے تقاضے

گزشتہ صفحات میں ہماری معروضات صراحت سے اس امر کی شہادت فراہم کر رہی ہیں کہ جشن میلاد النبی ﷺ کا اہتمام کرنا یقیناً مستحسن اور باعث اجر و ثواب عمل ہے لیکن اس موقع پر اگر انعقاد میلاد کے بعض قابل اعتراض پہلوؤں سے صرف نظر کرتے ہوئے انہیں برقرار رہنے دیا جائے تو ہم میلاد النبی ﷺ کے فیوض و برکات سے محروم رہیں گے۔ جب تک اس پاکیزہ جشن میں طہارت، نفاست اور کمال درجہ کی پاکیزگی کا خیال نہیں رکھا جائے گا سب کچھ کرنے کے باوجود اس سے حاصل ہونے والے مطلوبہ ثمرات سمیٹنا تو در کنار ہم اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مکرم ﷺ کی ناراضی مول لیں گے۔

محفل میلاد ہو یا جلوس میلاد، یہ سارا اہتمام چوں کہ حضور ﷺ کی ولادت کی خوشی کے سلسلہ میں ہوتا ہے، لہٰذا اس کا تقدس برقرار رکھنا اُسی طرح ضروری ہے جس طرح حضور نبی اکرم ﷺ کی ظاہری حیات مقدسہ میں آپ ﷺ کی مجلس کے آداب ملحوظ رکھے جاتے تھے۔ ہمیں پوری کوشش

کرنی چاہیے کہ ماحول کی پاکیزگی کو خرافات اور خلاف شرع بے ہودہ کاموں سے آلودہ نہ ہونے دیں۔ اس کے ساتھ ساتھ جشن میلاد کے موقع پر محفلیں منعقد کرنا اور صدقہ و خیرات کرنا، جانی و مالی، علمی و فکری غرضیکہ ہر قسم کی قربانی کا جذبہ صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور اس کے حبیب مکرم ﷺ کی خوشنودی کے حصول کے لیے ہونا چاہیے۔ احادیث مبارکہ میں ہے کہ صبح و شام حضور ﷺ پر درود و سلام کے علاوہ اپنی اُمت کے دوسرے نیک و بد اعمال بھی پیش کیے جاتے ہیں۔ حضور ﷺ اچھے کام دیکھ کر خوشی کا اظہار فرماتے ہیں اور برائی دیکھ کر ناراضگی اور افسوس کا اظہار کرتے ہیں۔ بالکل اسی طرح ہماری یہ میلاد کی خوشیاں بھی حضور ﷺ اسلام کے سامنے پیش کی جاتی ہیں۔ اگر ان میں صدق و اخلاص شامل نہیں

میلادِ پاک کی محافل کو منعقد کرتے ہوئے پوری کوشش کی جائے ماحول کی پاکیزگی کا خیال رکھیں، ہر طرح کی خرافات اور خلاف شرع کاموں سے بچیں

ہو گا تو حضور ﷺ کو ہماری ایسی محفلوں کے انعقاد سے کیا مسرت ہو گی؟ اور اللہ تعالیٰ اپنی بارگاہ میں اپنے محبوب ﷺ کی خاطر کی جانے والی اس تقریب کو کیوں کر شرف قبولیت سے نوازے گا؟ یہ ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہے۔ صدقہ و خیرات میں کثرت اور اظہار مسرت کے لیے بڑے بڑے جلسے جلوس اُس بارگاہ میں باعث شرف و قبولیت نہیں جب تک کہ ظاہری عقیدت میں اخلاص باطن اور حسن نیت شامل نہ ہو۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی سچی محبت اور ادب و تعظیم ہی ہمارے ہر عمل کی قبولیت کی اولیں شرائط میں سے ہیں۔

محفل میلاد کے تقاضوں میں خلوص و تقویٰ کے ساتھ ساتھ ظاہری و باطنی طہارت بھی انتہائی ضروری ہے۔ حضور ﷺ چوں کہ خود صفائی کو انتہائی پسند فرماتے تھے، اور جس طرح آپ ﷺ کی ظاہری حیات مبارکہ میں ہر طرح کی صفائی، طہارت اور پاکیزگی کا خیال رکھا جاتا تھا اُسی طرح حضور ﷺ کی نسبت سے منعقد ہونے والی محافل و مجالس میں بھی ہمیں کمال درجہ احتیاط کی ضرورت ہے۔ اس لیے کہ حضور ﷺ اگر چاہیں تو اپنے غلاموں کی ان محافل میں اپنے روحانی وجود کے ساتھ تشریف لاتے ہیں۔ یہاں اس سلسلہ میں ایک مثال سے اس امر کی توثیق کی جاتی ہے:

"راقم کے والد گرامی حضرت علامہ ڈاکٹر فرید الدین قادریؒ نے اسی موقع کی مناسبت سے ایک واقعہ بیان فرمایا ہے کہ مولانا عبدالحہ فرنگی محلی حقہ پیتے تھے۔ ایک دفعہ محفل میلاد منعقد تھی۔ حقہ پی کر جلدی سے بغیر کلی کیے محفل میں چلے آئے، بیٹھے بیٹھے اونگھ آگئی۔ خواب میں حضور نبی اکرم ﷺ تشریف لائے اور فرمانے لگے: "عبدالحہ! تمہیں احساس نہیں کہ ہماری محفل میں حقہ پی کر اسی بدبودار منہ کے ساتھ آگئے ہو؟""

حضور ﷺ کی طبیعت مبارکہ اتنی پاک، منزہ اور لطیف تھی کہ آپ ﷺ لہسن اور پیاز وغیرہ کھا کر مسجد میں آنے سے بھی صحابہ کرامؓ کو منع فرماتے تھے۔ ایسے کئی واقعات ہیں کہ حضور ﷺ اپنے خاص غلاموں کو جس طرح ظاہری حیات طیبہ میں ایسی بدبودار اشیاء استعمال کرنے سے روکتے تھے بعد از وصال بھی اسی طرح حکماً یا اشارتاً منع فرماتے۔ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (۱۱۱۴-۱۱۷۴ھ) الدر الثمین في مبشرات النبي ﷺ کی اٹھائیسویں حدیث میں اپنے والد گرامی شاہ عبد الرحیم (۱۰۵۴-۱۱۳۱ھ) کے حوالہ سے ایک واقعہ نقل کرتے ہیں: دو صالح آدمیوں۔ جن میں سے ایک عالم بھی تھا اور عابد بھی، جب کہ دوسرا عابد تھا عالم نہ تھا۔ کو ایک ہی وقت اور ایک ہی حالت میں حضور نبی اکرم ﷺ کی زیارت ہوئی لیکن حضور ﷺ کی مجلس میں صرف عابد کو بیٹھنے کی اجازت دی گئی، عالم اس سے محروم رہا۔ چنانچہ اس عابد نے بعد میں لوگوں سے دریافت کیا کہ کیا ماجرا ہے؟ اس عالم کو اس سعادت سے کیوں محروم رکھا گیا؟ تو اُسے بتایا گیا کہ وہ حقہ پیتا تھا اور حضور ﷺ حقہ ناپسند فرماتے ہیں۔ دوسرے دن. یہ عابد اس عالم کے پاس گیا تو دیکھا کہ عالم اپنی اس محرومی پر زار و قطار رو رہا ہے۔ جب عابد نے حقیقت حال سے اُسے آگاہ کیا اور محرومی کا اصل سبب بتایا تو عالم نے اسی وقت تمبا کو نوشی سے توبہ کر لی۔ پھر اگلی شب دونوں نے اسی طرح بیک وقت حضور ﷺ کی زیارت کی اور اس بار عالم کو مجلس میں نہ صرف حاضری کا شرف بخشا گیا بلکہ آقائے دو جہاں ﷺ نے اسے اپنے پاس بٹھایا۔

سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کی حیاتِ مبارکہ

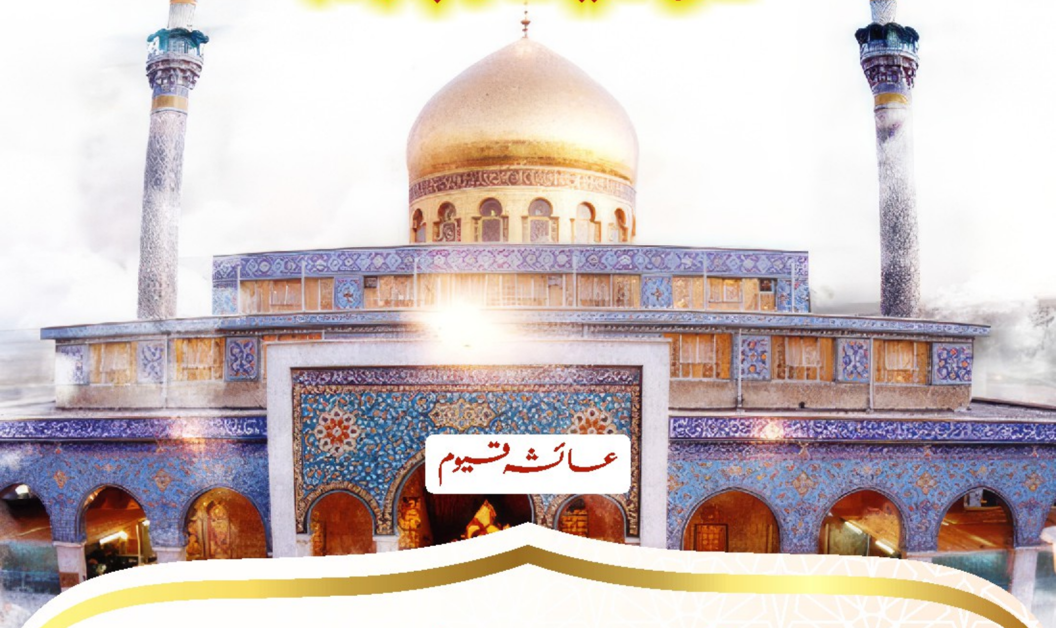

عائشہ قیوم

اِنَّمَا یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَیْتِ وَیُطَهِّرَكُمْ تَطْهِیْرًا (۳۳)

ترجمہ: بس اللہ یہی چاہتا ہے کہ اے (رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے) اہلِ بیت! تم سے ہر قسم کے گناہ کا میل (اور شک و نقص کی گرد تک) دُور کر دے اور تمہیں (کامل) طہارت سے نواز کر بالکل پاک صاف کر دے۔

حضرت زینب سلام اللہ علیہا کی حیات طیبہ کو دیکھتے ہیں تو سیدہ زینب سلام اللہ علیہا ایک فرد نہیں بلکہ اپنے مقدس وجود میں ایک عظیم کائنات سمیٹے ہوئے ہیں۔ ایک ایسی عظیم کائنات جس میں عقل و شعور کی شمعیں اپنی مقدس کرنوں سے کاشانہ انسانیت کے در و بام کو روشن کئے ھوئے ہیں اور جس کے مینار عظمت پر کردار سازی کا ایسا پرچم لہراتا ہوا نظر آتا ہے کہ بی بی زینب کے مقدس وجود میں دنیائے بشریت کی وہ تمام عظمتیں اور پاکیزہ رفعتیں سمٹ کر ایک مشعل راہ بن جاتیں ہیں۔ کربلا کی شیر دل خاتون زینب کبریٰ ہیں جو عقیلہ بنی ہاشم کہلاتی ہیں۔ سیدہ زینب سلام اللہ علیہا نے کربلا کی سرزمین پر وہ مقام حاصل کیا جس کی سرحدیں دائرہ امکان میں آنے والے ہر کمال سے آگے نکل گئیں اور حضرت زینب کی شخصیت تاریخ بشریت کی کردار ساز ہستیوں میں ایک عظیم اور منفرد مثال بن گئیں۔ گویا آپ کے بارے میں یہ کہنا بے جا نہ ہو گا۔

اسلام کا سرمایہ تسکین ہے زینب رضی اللہ عنہا
ایمان کا سلجھا ہوا آئین ہے زینب رضی اللہ عنہا
حیدر کے خد و خال کی تزئین ہے زینب رضی اللہ عنہا
شبیر ہے قرآن تو یاسین ہے زینب رضی اللہ عنہا

آپ کی ولادت کے موقع پر آپ کے والدین کریمین سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ اور سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی منشاء پر آپ کا نام زینب منتخب فرمایا، حسنین کریمین رضی اللہ عنہما کی طرح آپ بھی وہ خوش نصیب نواسی ہیں جنہیں دوشِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر سوار ہونے کی سعادت نصیب ہوئی۔ جب حضور ﷺ سیدہ زینب کو دیکھنے کیلئے تشریف لائے تو آپ کو اپنی گود میں اٹھایا تو ایک کھجور چوس کر اس کا لعاب دہن آپ کے منہ میں ڈال دیا۔ ایک مرتبہ ایک ہار حضور ﷺ کے پاس کہیں سے تحفہ آیا تو آپ ﷺ نے فرمایا میں یہ ہار اسے دوں گا جس سے مجھے سب سے زیادہ پیار اور تعلق ہو گا اور آپ ﷺ نے وہ ہار سیدہ زینب کو پہنایا۔ اور آپ کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ 10 ہجری کو جب آپ ﷺ نے آخری حج ادا کیا اس میں بھی سیدہ زینب سلام اللہ علیہا آپ کے ہمراہ تھیں۔

یوں توں "زینب" نام کے کئی مطالب بیان ہوئے ہیں جن میں سے ایک مطلب خوبصورت چہرے والی ہے۔ ایک اور معروف مطلب ہے کہ زین سے زینت اور اب سے مراد باپ یعنی کے "باپ کی زینت"۔ ذرا چشم تصور میں لائیں۔ آپ کے نام کا انتخاب حضور علیہ الصلوۃ السلام نے زینب فرمایا تو اس وقت ان عظیم المرتبت ہستیوں کے ذہن میں کیا ہو گا وہ چہرہ جو دین کی ایسی زینت ہے جس کے لئے حضور ﷺ نے فرمایا اس کو تکنا بھی عبادت ہے۔ سیدہ زینب کو اس دین کی زینت والے چہرے کی بھی زینت کا نام دیا گیا۔ حضرت زینب کا یہ نام اس حقیقت کو بیان کرتا ہے کہ آپ کا کردار، آپ کے والد حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے لئے باعث سرفرازی اور فخر تھا۔ آپ کا وجود آپ کے والد اور خاندان کے لئے فخر ہو گا یہی وجہ تھی حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنی پیاری شہزادی پر فخر کیا کرتے تھے۔

آپ رضی اللہ عنہا کی تعلیم و تربیت اس گھرانے میں ہوئی جو تعلیم و تربیت کا گہوارہ تھا، وہ اتنی بلند پایہ اور جامع کمالات شخصیات کا بے مثال گھرانہ تھا کہ روئے زمین پر ان کا کوئی ثانی نہ تھا، آپ رضی اللہ عنہا کے نانا جان نبی آخر الزمان رحمۃ اللعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، آپ رضی اللہ عنہا کے والد گرامی حیدر کرار حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ باب شہر علم، والدہ محترمہ خاتون جنت سیدۃ النساء العالمین اور بھائی جوانانِ جنت کے سردار، گویا پنجتن پاک کے عظیم محاسن و کمالات نے آپ رضی اللہ

عنہا کو اپنے جھرمٹ میں لے رکھا تھا، اور ہر آن ان کے فطری جواہر معراجِ کمال کی جانب محو سفر تھے۔ سیدہ زینب کا بچپن فضیلتوں کے ایسے پاکیزہ ماحول میں گذرا جو اپنی تمام جہتوں سے کمالات میں گھرا ہوا تھا جس کی طفولیت پر نبوت و امامت کا سایہ ہر وقت موجود تھا اور اس پر ہر سمت نورانی اقدار محیط تھیں۔ رسول اللہ صلیٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اپنی روحانی عنایتوں سے نوازا اور اپنے اخلاق کریمہ سے زینب کی فکری تربیت کی بنیادیں مضبوط و مستحکم کیں۔ نبوت کے بعد امامت کے وارث مولائے کائنات نے انھیں علم و حکمت کی غذا سے سیر کیا، عصمت کبریٰ فاطمہ زہراء نے انہیں ایسی فضیلتوں اور کمالات کے ساتھ پرورش فرمائی کہ جناب زینب تطہیر و تزکیہ نفس کی تصویر بن گئیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کی شخصیت کے ہر پہلو، انداز و اطوار، سلیقے، اور اوصاف و وقار میں سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کا عکس نظر آتا تھا۔ اس لئے آپ کو ثانی زہرا رضی اللہ عنہا بھی کہا جاتا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا کو اپنے عظیم والد کی فصاحت و بلاغت اور زورِ بیان ورثہ میں ملا تھا۔ آپ سلام علیھا کی تربیت اس پاکیزہ ماحول میں ہونا آپ کی ذات و کردار کے باحیا و باکمال ہونے کی دلیل ہے۔

> سیدہ زینب سلام اللہ علیہا
> ایک نفس نہیں بلکہ اپنے
> مقدس وجود میں طہارت و
> پاکیزگی اور علم و عرفان کی
> کائنات سمیٹے ہوئے ہیں

سیدہ زینب سلام اللہ علیھا امام عالی مقام خانوادۂ رسول صلیٰ اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ عظیم سپوت ہیں جن کو آغوشِ تربیت میں شہادت جیسا عظیم جذبہ ملا، شہزادۂ رسول بخوبی آگاہ تھے کہ معرکہء کربلا درحقیقت معرکہء حق و باطل ہوگا جس میں حق کی سربلندی کیلئے سر کو کٹانا ہوگا مگر سلامِ عظمت ہے فخر انسانیت امام حسین علیہ السلام کی قابل فخر بہن کی عظیم شخصیت کو کہ آپ صنفِ نازک سے تعلق رکھنے کے باوجود جذبہء جہاد اور شہادت سے سرشار تھیں۔ یہی وجہ تھی کی وقت آنے پہ آپ نے اپنے معصوم بیٹے حق کی فتح کیلئے قربان کر کے اپنے جذبہء قربانی کا اظہار کیا۔ بی بی زینب سلام اللہ علیہا نے نہ صرف اپنے بیٹوں کی شہادت کا غم سہا بلکہ اپنے شیر جوان بھتیجوں شہزادہ علی اکبر، شہزادہ قاسم، معصوم علی اصغر، باوفا بھائی عباس علیہ السلام اور فخر انسانیت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کا غم سہہ کر قربانیوں کی تاریخ میں تمام خواتین کیلئے واضح نمونہ عمل قائم کر دیا۔ یہ وہ زینب سلام اللہ علیھا تھیں

جنہوں نے اپنا پورا خانوادہ راہ حق پر لٹا کر دشمنوں کا مقابلہ جرات کے ساتھ کیا اور صبر و استقامت کا پہاڑ بنی رہیں۔ اس طرح سے زینب سلام علیھا نے اپنے گھرانے کی تعلیم و تربیت کی لاج رکھی اور قیامت تک کی نسل انسانی کے لئے اپنی پر وقار شخصیت و کردار کی مثال قائم کردی۔

آپ کے بچپن کا واقعہ ہے کہ ایک دفعہ سیدہ زینب سلام علیھا اپنے والد کی گود میں تھی اور مولا علی کرم اللہ وجہہ آپ کو گنتی سکھا رہے تھے۔ سیدہ زینب سلام اللہ سے آپ نے فرمایا" قل واحد " واحد کہو تو آپ سلام اللہ علیھا نے واحد کہا پھر فرمایا" کل اثنین "دو کہو تو سیدہ زینب خاموش ہو گئیں۔ آپ نے پھر فرمایا" قل اثنین "تو سیدہ زینب سلام اللہ کہنے لگیں: بابا میری زبان کیسے اثنین کہہ سکتی ہے میری زبان نے واحد کا اعلان کر دیا ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اپنی پیاری بیٹی کا جواب سن کر بہت خوش ہوئے کہ بچپن میں ہی توحید اور اللہ کی ذات پر کامل یقین تھا۔

جناب زینب رضی اللہ عنہا شرم و حیا کا پیکر تھیں جو اپنے باپ سے بھی پردہ کرتی تھیں۔ حضرت زینب سلام علیھا کی شخصیت میں حیا کا عنصر اس قدر نمایاں تھا کہ جب آپ کسی مجلس میں گفتگو فرماتی تو اپنی نظریں جھکا لیتیں۔ سیدہ زینب سلام علیھا نے ایسے ماحول میں تربیت پائی جہاں پورا کا پورا گھرانہ شرم و حیا کا نمونہ تھا۔ جناب زینب سلام اللہ علیھا شرم و حیا کا سرچشمہ تھیں اور سختی کے ساتھ پردے کی پابند تھیں۔ جناب زینب نے حیا کا دامن کسی صورت نہیں چھوڑا وہ میدان کربلا ہو، بازار دمشق ہو یا پھر دربار یزید۔ زندگی کے مشکل ترین حالات میں بھی حیا کا پیکر بنی رہیں۔ سیدہ زینب اپنے کردار کی عفت و پاکیزگی اور پیکر حیا سے امت مسلمہ کی خواتین کو یہ عظیم سبق دے گئیں کہ باکردار اور پر وقار طریقے سے بھی کٹھن حالات کا سامنا کیا جا سکتا ہے۔ آپ عفت و عصمت کا حیا کا پیکر کیوں نہ ہوتی آپ نے جس گود میں آنکھ کھولی ان کی عصمت و حیا کی کائنات گواہ ہے۔

سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کو بھی بچپن میں ہی اپنے نانا محمد عربی صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے سایہ رحمت اور پھر چند ہی ماہ بعد اپنی عظیم ماں کی مادرانہ شفقت سے محروم ہونا پڑا کوفہ میں قیام کے دوران آپ کی زندگی میں وہ مشکل ترین اور دل سوز واقعہ پیش آیا۔ جس کی وجہ سے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا پر غم واندوہ کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ وہ واقعہ آپ رضی اللہ عنہا کے والد محترم سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی شہادت کا ہے لیکن زمانے کے ان حادثوں نے مستقبل کے عظیم فرائض کی ادائیگی کے لئے پانچ سالہ زینب کے حوصلوں کو اور زیادہ قوی و مستحکم کر دیا۔ حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کی رحلت کے بعد تمام خانگی امور کے علاوہ خواتین اسلام کی تہذیب و تربیت کی ذمہ داریوں کو اس طرح اپنے کاندھوں پر سنبھال لیا کہ تاریخ آپ کو

""ثانی زہراء"" اور ""عقیلہ بنی ہاشم"" جیسے خطاب عطا کرنے پر مجبور ہو گئی۔

اسلامی اقدار کو حیات نو بخشنے والا اور تاریخ انسانیت کو سرخرو کرنے والا کربلا کا تاریخ ساز معرکہ جرات و شجاعت کی ایک عظیم مثال ہے۔۔ شاہی دربار میں یزید جیسے ظالم سفاک بادشاہ اور سات سو اعیان سلطنت اور بیرونی نمائندوں کی موجودگی میں۔ سیدہ زینب سلام اللہ علیہا نے خالقِ حقیقی کی حمد و ثناء اور بارگاہِ رسالت میں ہدیہء درود و سلام پیش کرنے کے بعد قرآنی آیت سے اپنے انقلابی خطبے کا آغاز کیا اور جبر و بربریت کے ترجمان یزید کو للکار کر کہا۔

اے یزید تو یہ سمجھ بیٹھا ہی کہ تو نے زمین و آسمان کو ہم پر تنگ کر دیا تیرے گماشتوں نے ہمیں شہر شہر حالتِ اسیری میں پھرایا تیرے زعم میں ہم رسوا اور تو باعزت ہو گیا ہے؟ تو تکبر میں مبتلا ہو گیا ہے کہ تیری سفاکیوں نے تیری قدر میں اضافہ کر دیا اور تو اپنی فوج، طاقت اور توانائی دیکھ کر خوشی کے مارے آپے سے باہر ہو گیا ہے۔۔ تو بھول چکا ہے کہ یہ فرصت (مہلت) تجھے صرف اسلئے دی گئی کہ تو اپنی فطرتِ بد کو آشکار کر سکے۔ تو نے قولِ خدا کو فراموش کر دیا، کافر یہ خیال نہ کریں کہ یہ مہلت جو انہیں دی گئی ہے یہ بہترین موقع ہے بلکہ یہ مہلت اسلئے دی گئی کہ وہ اپنے گناہوں میں اور اضافہ کر لیں تاکہ پھر ان پر رسوا کرنے والا عذاب نازل ہو۔ اے یزید تو آلِ رسول کے خون بہانے پر خوش نہ ہو کہ تُو بہت جلد خدا کی بارگاہ میں حاضر ہو گا اس وقت تو یہ تمنا کرے گا کہ کاش تو اندھا ہوتا اور یہ بھیانک دن نہ دیکھتا۔ جس دن رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انکے اہلبیت اور فرزند رحمتِ الٰہی کے سایہ میں آرام فرما ہونگے تو ذلت و رسوائی کے ساتھ ان کے سامنے کھڑا ہو گا۔

جناب سیدہ کی تقریر اسقدر منطقی اور اثر آفرین تھی کہ دربارِ یزید کا کوئی شخص سیدہ سلام اللہ علیہا کے رعب و دبدبہ کے سامنے کھڑا نہیں رہ سکا۔ سیدہ کے خطبے کی جامعیت و قطعیت نے یزید کی ملعون شخصیت کے تمام پہلوئوں کو اجاگر کر دیا۔ جس کو ایک شاعر یوں بیان کرتے ہیں:

ہر کان میں رس گھول رہے ہوں جیسے
جبرئیل زبان کھول رہے ہوں جیسے
دربار دمشق میں وہ زینب کا خطاب
منبر پر علی بول رہے ہوں جیسے

حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے اپنی پروقار کردار اور جرات سے بتایا کہ صبر و استقامت کسے کہتے ہیں؟ آپ نے اپنے عمل سے بتایا کہ ہر فرعون، ہر نمرود اور ہر یزیدی باطل قوت کے سامنے حق ڈٹا رہا اور بالآخر حق کو فتح ملی۔ سیدہ زینب سلام علیھا کی پروقار شخصیت اور استقامت سے یہ بات ثابت ہوئی کہ

حق ہی طاقت ہے۔ جس طرح آپ نے شدید غم و آندوہ کی کیفیت میں دربار یزید میں کھڑے ہو کر اس کو للکارا اور اس نقطے کو نکھارا کہ تمہاری یہ جیت ہار ہے اور قیامت تک اہل حق کی طاقت کیا ہو گی۔ سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کی پر وقار اور باحیا شخصیت کے بارے شاعر یوں گویا ہوا۔

قدم قدم پر چراغ ایسے جلا گئی ہے علی کی بیٹی
یزیدیت کی ہر ایک سازش پہ چھا گئی ہے علی کی بیٹی
کہیں بھی ایوانِ ظلم تعمیر ہو سکے گا نہ اب جہاں میں
ستم کی بنیاد اس طرح سے ہلا گئی ہے علی کی بیٹی
نبی کا دین اب سنور سنور کے یہ بات تسلیم کر رہا ہے
اجڑ کے بھی انبیاء کے وعدے نبھا گئی ہے علی کی بیٹی
نہ کوئی لشکر، نہ سر پہ چادر، مگر نجانے ہوا میں کیونکر
غرورِ ظلم و ستم کے پُرزے اڑا گئی ہے علی کی بیٹی
کئی خزانے سفر کے دوران کر گئی خاک کے حوالے
کہ پتھروں کی جڑوں میں ہیرے چھپا گئی ہے علی کی بیٹی
ابد تلک اب نہ سر اُٹھا کے چلے گا کوئی یزید زادہ
غرورِ شاہی کو خاک میں یوں ملا گئی ہے علی کی بیٹی

بیٹوں کی شہادت، خاندان نبوت اور اصحاب حسین علیہ السلام کی قربانی، عظیم بھائی امام حسین علیہ السلام کی دل سوز شہادت، اہل بیت کے باقی ماندہ افراد کی اسیری اور قافلہ حسین علیہ السلام کے پسماندگان کی کوفہ، شام اور دمشق کی جانب سفر کے قیامت خیز لمحات پر سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کا صبر و ثبات ناقابل فراموش ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا نے گریہ کناں اور آہ و فغاں کی بجائے اسے رب کی رضا جانتے ہوئے نہایت حوصلہ سے برداشت کیا۔ یزید کے دربار میں اس جرات کے ساتھ تقریر کی کہ یزید اور اس کے درباریوں پر سکتہ طاری ہو گیا۔ یزید کو خوف محسوس ہوا کہ کہیں لوگ خاندان رسالت کی حمایت میں میرے خلاف نہ اٹھ کھڑے ہوں۔

معرکہ کربلہ میں سیدہ سلام اللہ علیہا کی فکری، نظریاتی اور اخلاقی معاونت مجاہدین کربلا کے حوصلوں کی بلندی کا باعث بنی رہی۔ یہی وجہ تھی کہ شہادت والی رات سپہ سالارِ قافلہ حق امام عالی مقام نے اپنی باوفا و باکمال بہن کو اپنے خیمے میں بلا کر حالات سے آگاہ کیا اور کلمہ ء حق کی سربلندی کیلئے اپنی جان کا نذرانہ پیش کرنے کے پختہ عزم کا اظہار کیا نیز اپنی شہادت کے بعد قافلہ کی نگرانی کی ذمہ داری اپنی بہن سیدہ زینب

سلام اللہ علیہا کے سپرد کی۔ یہ وہ لمحہ تھا جب ایک بہن کی اپنے بھائی سے بے پناہ محبت کا بے مثال فطری جذبہ اسکے قدم ڈگمگا دے اور وہ بھائی کی شہادت اور ہمیشہ کی جدائی کو کبھی قبول نہ کرے مگر تاریخ شاہد ہے بے مثال بھائی کی بے نظیر بہن نے اپنے نانا سے محبت، اپنی عظیم ماں کی تربیت اور حق پر ڈٹ جانے والے باپ کی شفقت کی لاج نبھائی بی بی زینب سلام اللہ علیہا نے اپنے عظیم بھائی کے سامنے راہِ وفا پہ آنے والے تمام مصائب کا ڈٹ کر مقابلہ کرنے کے پختہ عزم کا اظہار کیا اور شہادتِ حسین علیہ السلام کے بعد سر خیلِ قافلہ بن کر حق اور فرض شناسی کی راہ میں دنیا کی تمام خواتین کیلئے مینارۂ نور بن گئیں۔

حضرت امام حسین علیہ السلام کی شہادت کے بعد حسینی وقار، عظمت، شجاعت، استقامت، حق گوئی اور دلیری کا حقیقی اظہار وجود زینب سلام اللہ علیہا کے ذریعے سے ہوا اور باوفا و باکمال بہن نے پیغام و فلسفہ ٔ شہادتِ امام حسین کو قیامت تک زندہ اور پائندہ رکھا۔ آپ سلام اللہ علیہا نے سالارِ قافلہ بن کر کوفہ و شام کے گلی کوچوں میں امتِ مسلمہ کے شعور کی بیداری کا بیڑہ اٹھایا جس سے خوابیدہ ضمیروں کو زندگی ملی، یزید کی اسلام دشمنی اور بربریت بے نقاب ہوئی اور واقعہ کربلا حق کی فتح اور باطل کی عبرتناک شکست کا سنگِ بنیاد بن گیا۔ سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے صبر واستقامت، جرات و بہادری، مقام و مرتبہ، شرم و حیا، عفت و عصمت، تحمل و بردباری، زہد وورع، تقویٰ وطہارت، وفاشعاری، ایثار و قربانی، اور عظمت کردار کو بیان کرنے سے الفاظ قاصر ہیں۔ ان تمام الفاظ کو رفعت و بلندی آپ رضی اللہ عنہا کے کردار ہی کی بدولت ملی۔ آپ رضی اللہ عنہا کے فضائل و کمالات کو احاطہ تحریر میں لانا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے۔ والدین کا گھر ہو یا شوہر کا، شہر مدینہ ہو یا حرم مکہ، کرب و بلا کا تپتا ہوا ریگزار ہو یا کوفہ و شام اور دمشق کے بازار ہر مقام پر آپ رضی اللہ عنہا پیکر صبر ورضا ہیں۔

انسان کو زندگی کا قرینہ سکھا گئیں
زینب حسینت کو جینا سکھا گئیں

میری بہنوں! اگر زندگی میں کبھی مشکل وقت آجائے تو حضرت زینب سلام علیہا کی عظیم قربانیوں کو یاد کرلینا۔ اگر کوئی غم ستانے لگے تو وہ وقت یاد کرلینا جب سیدہ زینب نے اپنے شہزادوں عون و محمد کو اپنے ہاتھوں سے شہادت کے لئے میدان کربلا روانہ کیا۔ جب کبھی کوئی پریشانی آجائے تو سیدہ زینب کے میدان کربلا اور بازار دمشق میں حوصلے اور ہمت کو یاد کرلینا۔ آج ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنے اندر وہ کردار پیدا کریں اور وہ حوصلہ اور ہمت پیدا کریں جو سیدہ زینب سلام اللہ علیہا ہمیں سکھا گئیں۔ اللہ رب العزت ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کے نقش قدم پر چلتے ہوئے اپنی زندگیوں کو صبر ورضا، شرم وحیا اور استقامت کے ساتھ دین کی خدمت میں گزاریں۔

وطن سے محبت
اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں

ساجدہ کوثر نعیمی

قارئین کرام۔ پچھلے دنوں پرندوں پر ایک رپورٹ دیکھی جو مون سون ہواؤں کیساتھ ساتھ ایک شہر سے دوسرے شہر ایک ملک سے دوسرے ملک ہی سفر نہیں کرتے بلکہ یہ سفر ایک براعظم سے دوسرے براعظم پر محیط ہوتا ہے۔ لیکن اس پر ایک اور پہلو قابل غور یہ کہ قریہ قریہ منزل بہ منزل یہ سفر انھیں خانہ بدوش نہیں بناتا، نہ ہی یوں ہوتا ہے کہ اتنے سفر کے دوران کسی من چاہی بستی میں تھکن سے چور ھونے کے باعث ایک اور آشیانہ بنا کر رہائش اختیار کریں اور وہیں کے ہو کر رہ جائیں بلکہ اپنے وطن سے محبت کا یہ عالم ہے کہ ہزاروں میل دوری پر سالوں کا سفر طے کر کے اپنے وطن واپس پہنچتے ہیں۔۔ جہاں ان کے دیے گئے انڈے ان کا انتظار کر رہے ہوتے ہیں۔ جنھیں وہ اپنے جذبات واحساسات سے حدت دیتے ہیں اور انہی احساسات وجذبات نے انھیں دورانِ سفر تھکنے نہیں دیا ہوتا۔۔ بارہا یوں بھی ہوتا ہے کہ واپسی پر موسموں کی شدت کے باعثِ بچے انڈوں سے نکل کر محو انتظار ہوتے ہیں اور اپنی چوں چاں کی آواز سے والدین کا استقبال کرتے ہیں۔ یہی وہ لمس اور وطن سے محبت کا احساس ہے جو انھیں کہیں مستقل پڑاؤ نہیں کرنے دیتا۔۔۔

یہ مناظر دیکھ کر اپنے وطنِ عزیز کی محبت میں سرشار 14 اگست 1947 کے وہ شہداء یاد آئے جنھوں ے اپنا آج ہمارے کل پر قربان کر دیا۔۔ ایک نظریاتی فکر لے کر اپنی نسلوں کی بقا

کے لیے قافلہ در قافلہ پیادہ اور گاڑیوں ٹرینوں پر وطن عزیز کی طرف ہجرت کی۔۔کٹے پھٹے جسموں کے ساتھ وطن کی سرحدوں پر پہنچے تو سہی مگر اپنے قدموں پر باہر نہیں نکل سکے، شہید کر دیے گئے، عزتیں نیلام ہو گئیں۔اس وطن عزیز کی بنیادوں میں ان شہداء کا خونِ جگر گوشت، گارے کی جگہ اور ہڈیاں، اینٹوں کی جگہ استعمال ہوئیں تب جا کر وطن پاکستان معرض وجود میں آیا۔۔اس کی سالمیت امن اور خود مختاری کا تحفظ ہم پر اور ہماری آنے والی نسلوں پر قرض ہے اور الحمدللہ 1947 سے اب تک وطن کے جیالے ہر دور میں مختلف محازوں پر ڈٹے وطن کی سالمیت اور بقا پر آنچ نہیں آنے دیتے بلکہ تحفظ کی خاطر قربانیوں کا تسلسل جاری رکھے ہوئے ہیں۔۔۔اور یوں اہل وطن کی محبت کے چشمے جاری وساری رہتے ہیں۔وطن سے محبت ایک فطری اور طبعی عمل ہے جہاں انسان پیدا ہوتا ہے بچپن لڑکپن جوانی کے ماہ وسال گزرتے ہیں۔اس کو بھلا دینا آسان نہیں۔اور یہی وطن سے محبت کا تقاضا ہے کہ ہمہ وقت خون گرم رہیں ، جھپٹا جائے، پلٹا جائے اور دشمن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے للکارا جائے۔اور اس کی تعمیر وترقی کے لیے سب اہل وطن اپنی کاوشیں جاری رکھیں۔کیونکہ بطور مسلمان وطن سے محبت ایمان کا حصہ ہے۔۔جس کی دلیل آقا ﷺ کے مبارک اسوہ سے ملتی ھے۔جسکے لیے محبت رسول ﷺ کی سرشاری سمیٹے 14 قرنوں کی دوری پر کھڑے دور رسول کی طرف پلٹنا ہو گا کہ جہاں ایک نظریاتی فکر وشعور دینے کے باعث آپ ﷺ اپنے ہی وطن کے اندر نہ صرف بے وطن مسافر کی سی زندگی گزار رہے ہیں بلکہ آپ ﷺ کے اصحابؓ انگاروں پر لٹائے جا رہے ہیں۔اپنے ہی وطن میں شعب ابی طالب کی وادی میں اپنے اقربا اور عیال کے ساتھ نہ صرف محصور ہیں بلکہ فاقے کر رہے ہیں۔پھر ہجرت حبشہ کا جگر سوز منظر، مکہ کا تکلیف دہ واقعہ جب تمام قبائل ننگی تلواریں لے کر قتل کے درپے ہیں، غار ثور میں تین دن کا قیام اور مکہ سے مدینہ تک کے سفر کی صعوبتیں اور آزمائشیں جھیلتے ہوئے مدینہ پہنچتے ہیں۔بعد ازاں مدینہ کے دس سالہ سفر کے دوران ملنے والی ان تھک تکالیف کے ساتھ ساتھ وطن سے دوری کا احساس، اس کی یاد، ہجر وفراق کے نہ بھولنے والے ماہ وسال بھی گزارے۔یہی وجہ تھی کہ آپ ﷺ نے فرمایا: حدیث مبارکہ کا مفہوم یہ ہے کہ دنیا میں جتنے ملک اور شہر ہیں۔ان میں سب سے زیادہ پسندیدہ اور خوبصورت میرا وطن شہر مکہ ہے۔ایک جگہ ارشاد گرامی ملتا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا اے شہر مکہ تو مجھے بہت پیارا ہے، خدا کی عزت کی قسم میں تجھے کبھی نہ چھوڑتا۔مگر کیا کروں کہ یہاں کے لوگ مجھے تیرے اندر رہنے نہیں دیتے۔

ایک اور جگہ پر آپ کے ارشاد گرامی کا ترجمہ یوں ھے

کہ اے شہر! کہ تو کتنا پاکیزہ ہے اور مجھے کتنا محبوب ہے۔۔کاش تیرے لوگ مجھے ہجرت کرنے پر مجبور نہ کرتے تو میں تیرے سوا کہیں اور سکونت اختیار نہ کرتا۔

مدینہ میں قیام کے دوران اگر یاد کا کوئی دریچہ وطن کو کھلتا تو پہروں اسکی یاد کی تان نہ ٹوٹتی۔ سیرت طیبہ کے مطالعہ سے یہ مناظر دیکھنے کو ملتے ہیں کہ آپ مدینہ طیبہ سے باہر نکل کر ان راستوں پر بیٹھتے جہاں سے مکہ سے آنے والوں کا گزر ہوتا۔ آپ ﷺ مکہ کے احوال پوچھتے۔وہاں کی چراگاہوں، موسموں اور مکہ مکرمہ کی وادیوں میں اگی گھاس کا تذکرہ فرماتے، ٹھنڈی آہیں بھرتے اور وطن کو یاد کر کے آنسو بہاتے۔

مدینہ طیبہ میں قیام کے دوران ملنے والی کامیابیاں، فتوحات، اصحاب رسول کی لازوال محبتیں، ازواج مطہرات کی قربتیں، دن رات دین اسلام کو ملنے والا عروج، سب کچھ ہی تو ہے مگر ان سب کے حصول کے باوجود میرے آقا ﷺ اپنے آبائی وطن مکہ کو نہیں بھولتے۔ بعد ازاں جب رسول اللہ ﷺ فتح مکہ کے موقع پر مکہ مکرمہ یعنی آپنے اصلی وطن داخل ہوتے ہیں تو اس وقت میرے آقا ﷺ کی زندگی کا ہر لحہ ہر واقعہ ہمیں دعوت فکر دیتا ہے اور وطن سے محبت کے آداب سکھاتا ہے۔ آپ فاتحانہ شان سے مکہ میں داخل ہوتے ہیں تو اہل مکہ کے جسموں پر انتقام کی کوئی خراش تک نہیں ملتی۔ عفو و درگزر کی اعلیٰ مثالیں قائم ہوتی ہیں، شہر مکہ کی معیشت کی کہیں پامالی نہیں ہوتی، کوئی توڑ پھوڑ نہ کسی گلی کوچے مکان کو انتقاماً مسمار کیا جاتا ہے بلکہ ازلی دشمن کے گھر کو جائے امان قرار دیا جاتا ہے۔ یہ وطن سے محبت تھی کہ اسکی سالمیت کی بقا کے لیے اپنے ذاتی دشمنوں اور چچا کے قاتلوں کو معاف کر دیا جاتا ہے اور عام معافی کے اعلان کے بعد مکہ مکرمہ کے امن کو برقرار رکھا جاتا ہے۔

حفیظ جالندھری فرماتے ہیں:

یہ لشکر ساری دنیا سے انوکھا تھا نرالا تھا
کہ اس لشکر کا افسر اک کالی کملی والا تھا

پھر یہی محبت آقا ﷺ کی اپنے وطن مدینہ ثانی سے بھی تھی۔ جب غزوات اور فتوحات کے لیے کئی ماہ مدینہ سے دور گزرتے۔۔ تو مدینہ واپسی کے وقت جوں ہی مدینہ شہر کے آثار نظر آتے۔ تو چہرہ انور دور سے دیکھنے پر ہی کھل جاتا۔ آپ ﷺ اپنی سواری کو ہلکی سی جست لگاتے تو وہ تیز تیز قدم اٹھانے لگتی۔

قصواء جس کی پشت پر ہزار ہا آیات قرآنی کا نزول ہوا، آقا ﷺ کی ان خاص کیفیات کو محسوس کرتی تھی، آپ ﷺ کی ہر ادا سے واقف تھی، جوں ہی مدینہ نظر آتا۔ آپ ﷺ کے اضطراب کو پہچان جاتی اور مدینہ کی طرف دوڑ لگا دیتی۔ آپ ﷺ وارفتگی اور خوشی کے عالم میں قصواء سے باتیں کرتے اور ٹھنڈی سانس لیتے حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ مدینہ میں داخلے کے وقت آقا ﷺ کے رخ انور پر ایک سرشاری اور خوشی ہوتی جس کو سب محسوس کر سکتے تھے۔ قارئین کرام جغرافیائی حقائق اپنی جگہ مگر کچھ وطن نظریات کی بنیاد پر معرض وجود میں آتے ہیں۔ ہمارا وطن عزیز پاکستان ایک نظریاتی ملک ہے جو اسلام کی بنیاد پر حاصل کیا گیا۔ اکابرین امت اور قوم نے اس لیے کوششیں کیں کہ ہماری نسلیں اسلامی اصولوں کے مطابق اپنی زندگیاں گزار سکیں، انھیں اپنی مذہبی رسومات کی اجازت ہو، عدل وانصاف کا بول بالا ہو، بالکل اس طرح جس طرح آقا ﷺ نے مدینہ طیبہ کی بنیاد رکھی، اس کے رہنے والوں کو مواخات مدینہ کا درس دیا۔ عدلیہ کا بول بالا کیا اور قرآن وسنت کے مطابق ہر شہری کو پوری عزت وقار، آزادی اور حقوق وفرائض کی پہچان کروائی۔ سنت رسول ﷺ اور اتباع رسول ﷺ کی روشنی میں اس وطن عزیز پاکستان کو نظریاتی بنیادوں پر استوار کرنے کے لیے مصطفوی معاشرے کے قیام کی فکر شیخ الاسلام ڈاکٹر قادری نے اس قوم کو دی اور اس نظریے کے حصول کے لیے 2013 کا دھرنا بھی دیا گیا جس میں الیکشن ریفام، احتساب اور پھر شفاف انتخابات آپ کا ایجنڈا تھا۔ آپ نے سنت نبوی کی پیروی کرتے ہوئے ملکی استحکام، اس کی سالمیت اور امن کو قائم رکھنے کے لیے اپنے کارکنان کو سختی سے نصیحت کی کہ خبردار کوئی گملا تک نہ ٹوٹے پر امن احتجاج کی یہ مثال ہمیشہ کے لیے پاکستان کی تاریخ میں سنہری باب اور منہاج القرآن کے ماتھے کا جھومر ہے۔ شیخ الاسلام بھی اس وطن عزیز پاکستان اور آقا ﷺ کی امت کی نفع بخشی کے لیے ہمہ وقت مصروف عمل ہیں۔ انشاءاللہ آپ کے دیے گے شعور کی روشنی میں پاکستان میں مصطفوی معاشرے کا قیام جلد عمل میں آئے گا۔

الغرض آقا ﷺ کی سیرت طیبہ اور حیات مقدسہ سے وطن کی محبت کے ہزارہا پہلو ہیں۔ بصد اختصار کوشش کی عشق مصطفی ﷺ کی چنگاری جب دل میں بھڑکتی ہے تو جذبوں اور محبتوں کے سیلاب کو لفظوں کی شکل میں صفحہ قرطاس کے حوالے کیا جاتا ہے۔

یہ ادنی سی کاوش یہ لفظوں کے نذرانے رب العزت قبول فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ

ماہ صفر، توہم پرستی، اشکال کا ازالہ

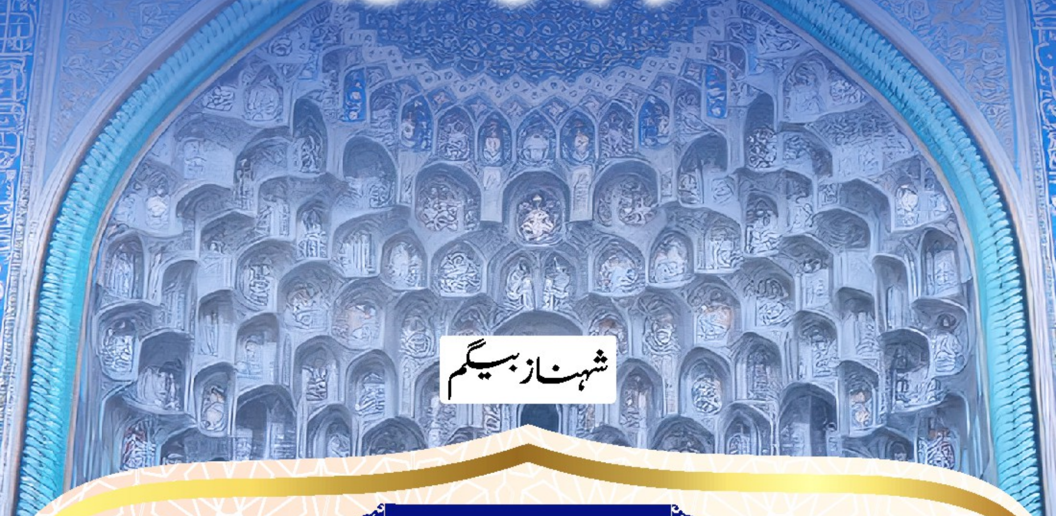

شہناز بیگم

تعارف

اسلام ایک آسمانی اور فطری دین ہے جو زندگی کے ہر گوشے میں انسان کو عقلی، روحانی اور عملی رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ بدقسمتی سے امتِ مسلمہ میں رفتہ رفتہ کچھ ایسی توہمات اور رسومات نے جگہ بنالی ہے جن کا نہ اسلام سے کوئی تعلق ہے، نہ عقل و نقل سے۔ ماہِ صفر سے متعلق منفی تصورات اور اس سے جڑی رسومات ایسی ہی بدعات و خرافات میں شامل ہیں۔ زیرِ نظر مضمون میں ہم ماہِ صفر کی حقیقت، اس سے متعلق توہمات، ان کا تاریخی و اعتقادی پس منظر، اور ان کے ازالے کی شرعی و فکری بنیادوں کا جائزہ لیں گے۔

ماہِ صفر کا تعارف اور تاریخی پس منظر

ماہِ صفر اسلامی قمری سال کا دوسرا مہینہ ہے، جو محرم الحرام کے بعد آتا ہے۔ "صفر" کا مطلب خالی ہونا ہے۔ عرب زمانہ جاہلیت میں اس مہینے کو منحوس تصور کرتے تھے کیونکہ اس میں وہ گھروں کو خالی چھوڑ کر جنگوں کے لیے نکلتے تھے۔ اسی بنیاد پر اس مہینے کے ساتھ مختلف قسم کے واہمے جڑ گئے، جو بعد میں توہمات کی صورت اختیار کر گئے۔ بعض لوگ اسے بیماریوں، مصیبتوں اور نحوست کا وقت تصور کرتے تھے۔ افسوس کہ یہ تصور آج بھی بہت سے لوگوں کے دل و دماغ میں موجود ہے، حالانکہ اسلام نے ایسی توہمات کی واضح الفاظ میں تردید کی ہے۔ علامہ ابن اثیر لکھتے ہیں۔

كانت العرب تتشاءم بصفر۔

النہایہ فی غریب الحدیث، جلد 3، ص 40)

ترجمہ: عرب ماہِ صفر کو منحوس سمجھتے تھے۔

توہم پرستی اور ماہِ صفر

توہم پرستی دراصل انسانی کمزوری، جہالت اور عدمِ توکل کی علامت ہے۔ معاشرتی دباؤ، لاعلمی، اور موروثی روایات نے عوام کے ذہنوں میں یہ بات بٹھادی کہ کچھ دن یا مہینے بذاتِ خود منحوس ہوتے ہیں۔ ماہِ صفر کی 13، 14، 15 تاریخوں کو خاص طور پر نحوست کے ایّام سمجھا جاتا ہے۔ جب کہ یہ بات نہ قرآن سے ثابت ہے نہ حدیث سے۔ مارے معاشروں میں ماہِ صفر کے بارے میں کچھ معروف لیکن بے بنیاد نظریات رائج ہیں۔ مثلاً اس مہینے میں 320 آفات نازل ہوتی ہیں۔ اس مہینے میں نحوست نازل ہوتی ہے۔ اس مہینے میں حادثات نازل ہوتے ہیں۔ اس مہینے میں بیماریاں اترتی ہیں۔ اس مہینے میں مخصوص طریقے کی مروجہ قرآن خوانی ضرور کرانی چاہیے۔ اس مہینے میں آٹے کی 365 گولیاں بنا کر پانی کے تالاب وغیرہ میں ڈالنا۔ اس ماہ میں 311 مرتبہ سورۃ مزمل پڑھنا۔

نوٹ: اس میں کوئی شک نہیں کہ قرآن کریم پڑھنا باعث برکت ہے لیکن اس کیلئے بعض دنوں کو متعین کرکے اسے لازمی سمجھنا اور دین کا جز قرار دینا یہ ہرگز درست نہیں۔ قرآن پڑھیں سارا سال پڑھیں کوئی منع نہیں کرتا لیکن اپنی طرف سے ایام اور اوقات کی تعیین کو دین سمجھ کر ضروری قرار دینا سراسر غلط ہے۔

اس مہینے میں لولے لنگڑے اور اندھے جنات اترتے ہیں۔ اس مہینے میں چنے ابال کر تقسیم کرنا ضروری ہے۔ اس مہینے میں چوری بنا کر تقسیم کرنا ضروری ہے۔ اس مہینے میں مزاج میں شدت اور تیزی آجاتی ہے۔ اس مہینے میں پہلے 13 دن انتہائی بھاری ہوتے ہیں۔ اس مہینے میں گھریلو لڑائی جھگڑے ضرور ہوتے ہیں۔ اس مہینے میں صندوقوں اور پیٹیوں کو ڈنڈوں سے خوب پیٹا جائے تاکہ جنات بھاگ جائیں۔ اس مہینے میں مٹی کے برتن توڑ دینے چاہئیں۔ اس مہینے میں کاروبار میں خسارہ آتا ہے۔ اس مہینے میں آخری بدھ کے روز عید منائی جائے۔ اس مہینے میں شادی و بیاہ اور خوشی کی تقریبات نہیں کرنی چاہئیں۔ اس مہینے میں نئے شادی شدہ جوڑے کو حقوق زوجیت سے روکا جاتا ہے کہ یہ منحوس مہینہ ہے۔ اس مہینے میں بعض لوگ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ آخری بدھ کو آسمان سے تین لاکھ بیس ہزار بلائیں نازل ہوتی ہیں۔ صفر کا آخری بدھ نبی کریم ﷺ کی صحت یابی کا دن ہے۔ شادی یا نکاح کرنے سے نحوست آتی ہے۔ نئے کاروبار یا سفر میں ناکامی ہوتی ہے۔

بعض محققین کے مطابق ماہِ صفر کی بدشگونی کا عقیدہ دراصل ہندومت اور ایرانی مجوسیت سے متاثرہ وہمات کا نتیجہ ہے جو اسلامی معاشروں میں ثقافتی اختلاط کے ذریعے در آئے۔ ہندو عقائد میں کچھ دن اور تاریخیں "اشُبھ" سمجھی جاتی ہیں۔ مجوسی تہذیب میں مخصوص مہینے شر کی علامت مانے جاتے تھے۔ اسلام نے ان تمام مشرکانہ نظریات کو جڑ سے اکھاڑ دیا۔ قرآن کا زور "ایام اللہ" یعنی "اللہ کے دنوں" پر ہے، نہ کہ انسان کی گھڑی یا مہینے کی نحوست پر۔ ان تمام باتوں کی کوئی اصل نہ قرآن میں ہے نہ سنت میں، بلکہ یہ محض عوامی روایتوں اور ثقافتی اثرات کا نتیجہ ہیں۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا سرفراز خان صفدرؒ فرماتے ہیں۔ کہ:

"ماہِ صفر کی نحوست کا عقیدہ نہ صرف غیر اسلامی بلکہ توحید کے منافی ہے۔ یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے نظام پر بدگمانی ہے۔"

دینِ اسلام کا موقف

اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے کہ نفع و نقصان صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ مہینے، دن، یا اشیاء خود بخود اثر انداز نہیں ہوتیں جب تک اللہ کا اذن شامل نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ

"قل لن یصیبنا إلا ما کتب اللہ لنا"

ترجمہ: "کہہ دو ہمیں وہی پہنچتا ہے جو اللہ نے ہمارے لیے لکھ رکھا ہے۔" (سورہ توبہ: 51)

سورۃ یونس میں ارشاد ہے۔ کہ

وَاِنۡ یَّمۡسَسۡکَ اللّٰہُ بِضُرٍّ فَلَا کَاشِفَ لَہٗۤ اِلَّا ہُوَ ۚ وَاِنۡ یُّرِدۡکَ بِخَیۡرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضۡلِہٖ ؕ یُصِیۡبُ بِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ مِنۡ عِبَادِہٖ ؕ وَہُوَ الۡغَفُوۡرُ الرَّحِیۡمُ.

اور اگر اللہ تمہیں کوئی تکلیف پہنچائے تو اس کے سوا کوئی اسے دور کرنے والا نہیں اور اگر وہ تمہارے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرمائے تو کوئی اس کے فضل کو رد کرنے والا نہیں۔ وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اپنا فضل پہنچاتا ہے، اور وہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔ (یونس، 10: 107)

سورۃ شوریٰ میں ارشاد ہے

وَمَاۤ اَصَابَکُمۡ مِّنۡ مُّصِیۡبَۃٍ فَبِمَا کَسَبَتۡ اَیۡدِیۡکُمۡ وَیَعۡفُوۡا عَنۡ کَثِیۡرٍ. (الشوریٰ، 42: 30)

اور جو مصیبت بھی تم کو پہنچتی ہے تو اُس (بداعمالی) کے سبب سے ہی (پہنچتی ہے) جو تمہارے ہاتھوں نے کمائی ہوتی ہے حالاں کہ بہت سی (کوتاہیوں) سے تو وہ درگزر بھی فرمادیتا ہے۔

اور سورہ النسآء میں فرمان ہے

مَا اَصَابَکَ مِنۡ حَسَنَۃٍ فَمِنَ اللّٰہِ ۫ وَ مَاۤ اَصَابَکَ مِنۡ سَیِّئَۃٍ فَمِنۡ نَّفۡسِکَ. (النساء،4: 79)

(اے انسان اپنی تربیت یوں کر کہ) جب تجھے کوئی بھلائی پہنچے تو (سمجھ کہ) وہ اللہ کی طرف سے ہے (اسے اپنے حسنِ تدبیر کی طرف منسوب نہ کر) اور جب تجھے کوئی برائی پہنچے تو (سمجھ کہ) وہ تیری اپنی طرف سے ہے (یعنی اسے اپنی خرابیٔ نفس کی طرف منسوب کر)۔

درج بالا آیات سے واضح ہوتا ہے کہ کوئی وَقت، دن اور مہینہ بَرَکت و عظمت اور فضل والا تو ہو سکتا ہے، مگر کوئی مہینہ یا دن منحوس نہیں ہو سکتا۔ کسی دن کو نحوست کے ساتھ خاص کر دینا درست نہیں، اس لیے کہ تمام دن اللہ تعالیٰ نے پیدا کیے ہیں اور انسان ان دنوں میں افعال و اعمال کرتا ہے، سو ہر وہ دن مبارک ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی جائے اور ہر وہ زمانہ انسان پر منحوس ہے جس میں وہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔ کہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”(اسلام میں نہ امراض کا) تعدیہ ہے، نہ ہامہ اور نہ صفر (کے مہینے کی نحوست) ہے۔“ اس پر ایک دیہاتی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: ” یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)! اونٹوں کی ایک جماعت کا کیا معاملہ ہے جو ریت میں اس حال میں ہوتے ہیں کہ گویا وہ ہرن ہیں (یعنی ہرن کی طرح بیماری سے صاف ستھرے ہیں) پھر ان کے ساتھ کوئی خارش زدہ اونٹ آملتا ہے جو ان سب کو خارش زدہ کر دیتا ہے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”(اچھا یہ بتاؤ کہ) پہلے اونٹ کو کس کے ذریعے سے خارش لگی؟۔“ (یہ سن کر وہ دیہاتی لاجواب ہو گیا۔)

(بخاری، مسلم و ابوداؤد)

نبی کریم ﷺ نے ان تمام جاہلانہ تصورات کا بطلان کیا۔ چنانچہ صحیح بخاری کی حدیث ہے

"لَا عَدْوَى، وَلَا طِيَرَةَ، وَلَا هَامَةَ، وَلَا صَفَرَ"

(بخاری، کتاب الطب، حدیث: 5707)

یعنی: نہ بیماری کا خود بخود لگ جانا ہے، نہ بدشگونی، نہ اُلو کی نحوست، نہ صفر کی کوئی نحوست ہے۔

یہ حدیث واضح کرتی ہے کہ صفر کو منحوس سمجھنا عہدِ جاہلیت کی یادگار ہے، جسے اسلام نے مکمل طور پر مسترد کیا۔

ایک اور حدیث ہے۔ کہ

من ردته الطيرة عن حاجته فقد أشرك

(مسند احمد، حدیث: 9251)

ترجمہ: جسے بدشگونی نے اس کے مقصد سے روک دیا، اس نے شرک کیا۔

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔

ماہِ صفر یا کسی بھی مہینے میں نحوست کا تصور اسلام میں نہیں۔ یہ جاہلیت کے بقیہ اوہام ہیں۔

مفتی تقی عثمانی لکھتے ہیں۔

اسلام میں کوئی دن، تاریخ یا مہینہ خود بخود برا یا اچھا نہیں ہو سکتا، جب تک شریعت اس کی تعیین نہ کرے۔ تاریخ اسلام کے کئی روشن واقعات ماہِ صفر میں پیش آئے جن کا ذکر کرنا توہم پرستی کا رد بن سکتا ہے۔ ہجرت نبوی ﷺ کی منصوبہ بندی کا مرحلہ ماہِ صفر میں ہوا۔ حضرت علیؓ کی یمن سے واپسی صفر میں ہوئی، جس پر نبی ﷺ نے ان سے محبت کا اظہار فرمایا۔ غزوہ خیبر کی تیاری بھی صفر کے اختتام پر ہوئی، جو اسلام کی عظیم فتحوں میں سے ہے اگر یہ مہینہ منحوس ہوتا تو کیا اللہ تعالیٰ اس میں اسلام کی فتح کے اسباب مہیا فرماتا؟ .

ایک لطیفہ

ایک بادشاہ اپنے غلام سے کہہ رکھا تھا کہ تو صبح سویرے مجھے اپنی صورت نہ دکھایا کر اس لیے کہ تو منحوس ہے ورنہ تیری نحوست کا مجھ پر شام تک اثر رہے گا ایک دن اتفاق سے وہ غلام صبح سویرے کسی کام سے بادشاہ کے پاس چلا گیا اور بادشاہ نے اس کو تنبیہ کی اور حکم دیا کہ اس کو شام تک کوڑے لگائے جائیں۔

شام ہونے پر بادشاہ نے کہا آئندہ صبح سویرے مجھے اپنا منہ مت دکھانا اس لیے کہ تو منحوس ہے ۔غلام نے کہا بادشاہ سلامت منحوس میں نہیں ہوں بلکہ آپ ہیں اس لیے کہ آج صبح میں نے آپ کا چہرہ دیکھا تھا اور آپ نے میرا چہرہ دیکھا تھا آپ کا چہرہ دیکھنے سے مجھے یہ صلہ ملا کہ شام تک کوڑے لگتے رہے اور میرا بابرکت چہرہ دیکھنے کے بعد آپ صبح سے شام تک صحیح سلامت رہے۔"

صفر کے آخری بدھ کی حقیقت

بعض عوام میں یہ تصور رائج ہے کہ صفر کے آخری بدھ کو نبی کریم ﷺ صحت یاب ہوئے اور آپ نے سیر و تفریح فرمائی، لہٰذا یہ دن خوشی کا دن ہے۔

یہ بات تاریخی اعتبار سے غلط ہے۔ سیرت ابن ہشام، سیرت ابن اسحاق، اور زاد المعاد (ابن القیم) جیسے

مستند مصادر کے مطابق نبی کریم ﷺ کی بیماری کا آغاز ماہِ صفر ہی میں ہوا تھا، اور آپ ﷺ کی وفات ربیع الاول میں ہوئی۔ لہٰذا اس دن خوشی منانا یا کھانے پکانا دین میں بدعت شمار ہوگا۔ امام مالکؒ نے فرمایا

"من ابتدع في الإسلام بدعة يراها حسنة، فقد زعم أن محمدًا ﷺ خان الرسالة" (الاعتصام للشاطبیؒ)

ترجمہ: جس نے اسلام میں کوئی نئی چیز ایجاد کی اور اسے اچھا سمجھا تو گویا اس نے یہ گمان کیا کہ محمد ﷺ نے رسالت میں خیانت کی۔

توہم پرستی کا خاتمہ اور علمی و سماجی کردار

توہم پرستی صرف ایک انفرادی گمراہی نہیں بلکہ ایک اجتماعی بیماری ہے۔ اس کے باعث لوگ غیر ضروری خوف میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ فیصلے دلیل کی بجائے واہموں پر کیے جاتے ہیں۔ افراد کے درمیان بداعتمادی جنم لیتی ہے۔ دین کا چہرہ مسخ ہو کر رہ جاتا ہے۔ اور بدقسمتی سے ٹی وی ڈرامے، سوشل میڈیا ویڈیوز اور بعض عوامی خطبات نے "نحوست" کے تاثر کو مزید تقویت دی ہے۔ ماہِ صفر کے دنوں میں اگر کوئی حادثہ ہو جائے تو بعض افراد فوراً اسے "ماہِ صفر کی نحوست" سے جوڑ دیتے ہیں۔ حالانکہ اسلام نے حادثات کو "ابتلاء" اور "امتحان" کہا ہے، نہ کہ نحوست۔

جب کوئی معاشرہ توہمات میں ڈوب جائے تو وہ ترقی کی راہ پر نہیں چل سکتا۔ لوگ نئے کام کرنے سے ڈرتے ہیں، فیصلے جذبات اور ڈر کی بنیاد پر کرتے ہیں، اور حالات کے ذمہ دار وقت، دن یا کسی اور کو ٹھہرا دیتے ہیں۔ اس سے فرد کا یقین کمزور ہو جاتا ہے۔ محنت سے بھاگنے لگتا ہے اور ہر ناکامی کا الزام قسمت یا مہینے پر ڈال دیتا ہے۔ ایسے ماحول میں نہ عقل کا استعمال ہوتا ہے۔ نہ اعتماد باقی رہتا ہے، اور نہ آگے بڑھنے کا جذبہ۔

اس طرح کی منفی سوچ سے نکلنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے طرزِ فکر کو بدلیں۔ سب سے پہلے، ہمیں یہ ماننا ہوگا کہ کوئی دن، مہینہ یا چیز بذات خود نفع یا نقصان دینے والی نہیں ہوتی۔ اصل طاقت ہماری نیت، محنت اور مثبت رویے میں ہے۔ اگر ہم زندگی کو اعتماد اور مثبت سوچ کے ساتھ گزاریں ۔ تو کوئی وقت برا نہیں ہوتا۔ بچوں کو بچپن سے سچائی، حقیقت اور عقلی باتیں سکھانی چاہییں تاکہ وہ بھی بڑے ہو کر اندھی تقلید کا شکار نہ ہوں۔

اس لیے امت کو توہم پرستی سے نجات دلانے کے لیے دینی تعلیمی ادارے، مدارس، یونیورسٹیز، خطباء و معلمین پر بڑی ذمہ داری عائد ہوتی ہے۔ کہ وہ درج ذیل مؤثر اقدامات کے ذریعے اس برائی کا خاتمہ کریں۔ مثلاً طلبہ میں عقائد کی درستی پر زور دیا جائے۔ منبروں، دروس، اور درسی کتب میں توہم پرستی کا علمی ردّ شامل کیا جائے۔ ثقافتی رسوم و دینی تعلیمات کا فرق واضح کیا جائے۔ تحقیقی مقالات و سیمینارز کے ذریعے معاشرے میں شعور بیدار کیا جائے۔ قرآنی تعلیمات کو عام کیا جائے۔ رسول اکرم ﷺ کی سیرت پر روشنی ڈالی جائے، جنہوں نے صفر کے مہینے میں نکاح، سفر اور جنگیں کیں۔ سماج میں علمی بیداری پیدا کی جائے،۔ خاص طور پر نوجوان طبقے میں۔ بچوں کی تربیت ایسے ماحول میں ہو جہاں دلیل اور عقل کی بنیاد پر بات کی جائے۔ نہ کہ بے بنیاد خوف کی بنیاد پر۔ امت کو اصل اسلامی تعلیمات سے روشناس کرانا ضروری ہے تاکہ بدعات اور توہمات کا قلع قمع کیا جاسکے۔

آج کے دور میں جب نوجوان انٹرنیٹ، سوشل میڈیا اور مختلف ذرائع سے معلومات حاصل کرتے ہیں تو ان کو درست رہنمائی دینا بہت ضروری ہے۔ ماں باپ، اساتذہ، اور سماجی شخصیات کو چاہیے کہ وہ گھروں، اسکولوں، اور محفلوں میں یہ پیغام عام کریں کہ توہم پرستی ایک کمزور ذہن کی علامت ہے۔ علم، تحقیق، مثبت سوچ اور سچائی ہی وہ راستہ ہے جس سے معاشرہ ترقی کر سکتا ہے۔ اگر ہم نئی نسل کو اعتماد، حوصلہ اور حقیقت پسندی سکھائیں تو ایک روشن اور خوشحال قوم بن سکتی ہے۔

حاصل کلام

توہم پرستی محض دینی گمراہی نہیں، بلکہ ایک نفسیاتی بیماری بھی ہے۔ جب انسان اپنے ارد گرد کے حالات پر قابو نہ پا سکے، تو وہ بیرونی عوامل (جیسے مہینے، دن، یا علامتیں) کو اپنی ناکامی یا بد قسمتی کا ذمہ دار ٹھہراتا ہے۔ ماہِ صفر کی "نحوست" کو جوڑنا اصل میں کسی نفسیاتی کمزوری کا اظہار ہے، جس کا اسلام نے علاج ایمان، صبر، اور دعا کے ذریعے تجویز کیا ہے۔ مؤمن اپنے معاملات اللہ کے سپرد کر دیتا ہے، اور بد شگونی اس کا وصف نہیں۔

ماہِ صفر بذاتِ خود نہ منحوس ہے، نہ باعثِ آفت۔ یہ دیگر مہینوں کی طرح اللہ تعالیٰ کا بنایا ہوا مہینہ ہے۔ کسی بھی مہینے، دن یا چیز کو نحس سمجھنا ایک باطل، جاہلانہ اور غیر اسلامی تصور ہے، جو نہ صرف عقیدے کو خراب کرتا ہے بلکہ اسلامی تہذیب و تمدن کو بھی نقصان پہنچاتا ہے۔

اسلام ایک مکمل، معتدل اور عقلی مذہب ہے جو انسان کو خوف و وہم کی زنجیروں سے نکال کر اللہ تعالیٰ کی رحمت، قدرت اور علم پر یقین سکھاتا ہے۔ ماہِ صفر ہو یا کوئی اور مہینہ، ہر دن اور ہر لمحہ اللہ کا بنایا ہوا ہے، اور وہی ہر چیز پر قادر ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اپنے دل و دماغ کو ان فضول عقائد سے پاک کریں اور قرآن و سنت کی روشنی میں ایک باشعور مسلمان بن کر زندگی گزاریں۔۔ اہلِ علم کا فرض ہے کہ وہ علم، فہم، اور حکمت کے ذریعے امت کو اس فکری زنجیر سے آزاد کروائیں۔

ایک حدیث مبارک میں ہے کہ جس نے اسلام میں اچھے طریقہ کی بنیاد ڈالی (اور اچھا طریقہ جاری کیا جس کی بعد میں دوسروں نے پیروی کی) تو اس شخص کو اس عمل کا ثواب حاصل ہو گا لیکن ان اعمال کرنے والوں کے ثواب میں کوئی کمی نہیں کی جائے گے اور جس شخص نے کسی برے طریقہ کی بنیاد ڈالی (برا طریقہ جاری کیا تو اس پر اس برے طریقہ کا وبال ہو گا اور جو لوگ اس کی اتباع میں) اس پر عمل کریں گے ان کا وبال بھی ان پر ہو گا لیکن ان دوسروں کے وبال میں کوئی کمی نہیں کی جائے گی۔ (مسلم ،ترمذی)

ماں قدرت کا انمول تحفہ

محمد آصف

ماں قدرت کا انمول تحفہ ہے۔ ہر تہذیب، ہر ملک اور ہر خاندان میں ماں کا احترام کیا جاتا ہے۔ ماں وہ ہستی ہے جس کے سائے تلے اولاد اپنا ہر غم بھول جاتی ہے ماں۔ دنیا کا سب سے خوبصورت رشتہ۔ سب سے خوبصورت لفظ۔ سب سے حسین شئے، سب سے بڑی خوشی۔ سب سے بڑی دولت، سب سے بڑا سہارا، سب سے بڑی دعا اور سب سے بڑی دوا۔ دنیا سچ کہتی ہے، ماں کی گود کا کوئی متبادل نہیں۔ ماں کی دعا سے بڑی کوئی طاقت نہیں۔ ماں کے دل سے زیادہ نازک دنیا میں کچھ نہیں۔ ماں اللہ تعالی کا انسان کیلئے قیمتی اور نایاب تحفہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ماں کو ایسا درجہ عطا کیا کہ اس کے قدموں تلے جنت رکھ دی۔ حقیقت یہ ہے کہ ماں پر ہی دنیا شروع ہے اور ماں پر ہی ختم۔ ماں کہنے کو تو تین حروف کا مجموعہ ہے لیکن اپنے اندر کل کائنات سموئے ہوئے ہے۔ دنیا یہی سوچتی ہے کہ کیا شئے ہے ماں۔ سچائی کا پیکر ہے ماں، لازوال محبت کا نمونہ ہے ماں، شفقت کا سمندر ہے ماں، تڑپ کا دریا ہے ماں، قربانی کا سیلاب ہے ماں، مہربانی کا خزانہ ہے ماں۔ تین حرفوں کا لفظ 'ماں' ناقابل فراموش رشتہ ہے۔ جس کے بارے میں رسول اللہ نے فرمایا کہ جنت تمہاری ماؤں کے قدموں کے نیچے ہے۔ اب اندازہ لگالیں کہ ماں کا مقام کیا ہے؟ کیا ہے درجہ ماں کا۔ کیا ہے رتبہ ماں کا۔

ماں، صرف نو مہینے کی کہانی نہیں ہوتی۔

کیا آپ جانتے ہیں کہ جب ایک عورت ماں بنتی ہے تو صرف بچہ اُس کے پیٹ میں نہیں پلتا... بلکہ اُس کے خلیے (cells) ماں کے خون میں شامل ہو کر واپس بچے تک آتے جاتے رہتے ہیں؟

یہ سائنسی حقیقت "فیٹل-میٹرنل مائیکرو کیمیرزم (Fetal-Maternal Microchimerism)" کہلاتی ہے — ایک ایسا نظام جو صرف خالقِ کائنات کی کاریگری کو سلامی دیتا ہے۔

41 ہفتوں تک ماں اور بچے کے خلیے ایک دوسرے کے جسم میں گردش کرتے رہتے ہیں۔

اور جب بچہ پیدا ہوتا ہے... تو اُس کے کچھ خلیے ہمیشہ کے لیے ماں کے جسم میں محفوظ ہو جاتے ہیں — اُس کے دل، دماغ، ہڈیوں اور جلد میں۔

یہی نہیں، اگر ماں کا دل زخمی ہو جائے، تو تحقیق کے مطابق بچے کے خلیے خود بخود ماں کے دل تک پہنچ کر اُسے مرمت کرنے لگتے ہیں!

یعنی ماں، جو خود بچے کو بنانے میں لگی ہوتی ہے...

وہی بچہ، رحمِ مادر سے ماں کو ٹھیک بھی کر رہا ہوتا ہے۔

کیا یہ محبت نہیں؟ کیا یہ قدرتی قربانی نہیں؟

اگر کبھی دورانِ حمل عورت کی کوئی بیماری ختم ہو جائے — تو یہ محض اتفاق نہیں، بلکہ سائنسی معجزہ ہے۔

بچہ ماں کو بچانے کی کوشش کرتا ہے... کیونکہ ماں کی زندگی اُس کی زندگی ہے۔

اور اگر حمل ضائع ہو جائے، یا اسقاط ہو، تب بھی وہ ننھے وجود کے خلیے ماں کے جسم میں زندہ رہتے ہیں — کئی سالوں تک، بعض اوقات 18 سال بعد بھی ماں کے دماغ میں اُن کا وجود پایا گیا ہے!

ماں، صرف بچے کو جنم نہیں دیتی، وہ اُسے ہمیشہ کے لیے اپنے اندر بساتی ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ مائیں اپنے بچوں کو دور بیٹھے ہوئے بھی "محسوس" کر لیتی ہیں۔

جب بیٹا پریشان ہو... یا بیٹی رو رہی ہو... ماں کا دل بے چین ہو جاتا ہے۔

یہ کوئی "جادو" نہیں... بلکہ وہ حیاتیاتی رشتہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔

ہر ماں کی بھوک، تھکن، اُلٹی، نیند کی کمی — سب ایک قربانی ہے۔

اور ہر بچہ اپنی ماں کے جسم میں ایک ایسی "نشانی" چھوڑ جاتا ہے جو زندگی بھر باقی رہتی ہے۔

تو جب بھی ماں تھک جائے... یا بیمار ہو جائے...

یاد رکھیے: وہ جسمانی نہیں، روحانی جنگ لڑ چکی ہوتی ہے۔

یہی ماں کی عظمت ہے... یہی اُس کا درد ہے... یہی اُس کا انعام بھی۔

یہ حقیقت ہے کہ ماں ہی وہ عظیم ہستی ہے جس کے جذبوں اور محبت میں غرض نہیں ہوتی، جب اولاد اس دنیا میں آنکھ کھولتی ہے تو اس کیلئے خود کو وقف کر دیتی ہے جب بچہ بول بھی نہیں پاتا اس کی ضرورت کو سمجھتی اور پورا کرتی ہے پھر اسے بولنا سکھاتی ہے پھر اُنگلی پکڑ کر چلنا سکھاتی ہے ہر آواز پر دوڑی چلی آتی ہے اپنی آغوش میں سمیٹ لیتی ہے، اولاد کی خوشی میں خوش اور اس کے دکھ میں دکھی ہوتی ہے، عمر کے ہر دور میں ساتھ دیتی ہے اور دعا گو رہتی ہے۔ ماں احسانات، احساسات، خوبیوں اور جذبات کا وہ بے مثال مجموعہ ہے جو سارے زمانے کے حالات اور موسم کی سختیاں خود سہتی ہے مگر اس کا ہر لمحہ اپنی اولاد کیلئے فکر و دعا کرتے گزرتا ہے۔

ماں وہ عظیم ہستی ہے جس کے بنا گھر ایک قبرستان کی مانند ہے چاہے وہ گھر شیش محل ہی کیوں نہ ہو۔ ہر ماں اپنی اولاد کی کامیابی چاہتی ہے بلکہ ہمیشہ یہ تمنا رہتی ہے کہ اس کا بیٹا بادشاہوں جیسی زندگی گزارے۔ اگر خدانخواستہ اولاد کی وجہ سے ماں کے دل کو صدمہ پہنچتا ہے تو وہ اولاد کبھی بھی کامیاب نہیں رہتی۔ ایسے انسان کا معاشرے میں بھی کوئی مقام نہیں رہتا۔ اس حالت میں اپنا مقام پانے کیلئے ماں کو منانے کے سوا کوئی حل نہیں۔ اس کی کامیابی کا راز ماں کی دعاؤں میں ہے، ویرانوں میں بھٹکی ہوئی اولاد کیلئے ماں کی دعائیں کامیابی کی کرن ثابت ہوتی ہیں۔

ماں کا جو رتبہ اسلام اور قرآن میں بیان کیا گیا ہے، اس کی بنیاد پر یہی کہہ سکتے ہیں کہ ہماری زندگی کا ہر پل ماں کا مقروض ہے۔ اس قرض کو ہم زندگی کے ہر پل میں ماں کو یاد کر کے بھی ادا نہیں کر سکتے۔ ماں کا رتبہ، ماں کا پیار، ماں کی ممتا اور ماں کا دودھ یہ انسان کو اس بات کا احساس دلانے کے لئے کافی ہے زندگی ماں کا قرض ہے جس کو انسان کبھی چکا نہیں سکتا ماں اللہ تعالیٰ کا ایسا عطیہ ہے جس کا کوئی نعم البدل نہیں جو اللہ تعالیٰ کے بعد اپنی اولاد کے دل کا حال بہت جلد جان لیتی ہے۔ اولاد کے دل میں کیا چل رہا ہے ماں سے زیادہ بہتر کوئی نہیں جانتا۔ دنیا مانتی ہے کہ ماں خدا کی محبت کا دنیا میں ایک روپ ہے۔ ماں سے زیادہ اولاد سے محبت کرنے والا کوئی اور نہیں۔ ماں کی قدموں میں جنت رکھی گئی ہے۔ کوئی ماں کی محبت، شفقت، مرتبے اور اس رشتے کی انفرادیت کے حوالے سے قرآن و حدیث سے لے کر عظیم ہستیوں کے اقوال تک، اس قدر خوبصورت تشبیہات سے مزین افکار موجود ہیں کہ جن کو پڑھ کر ایمان تازہ ہو جاتا ہے۔ اس کے باوجود ہر عام سے عام شخص کے پاس ماں کی تعریف الگ الگ ہے۔ اپنی اپنی ہے۔ اور یقیناً ان میں سے ہر تعریف اور احساس، قابل قدر بھی ہے۔ سب جانتے ہیں کہ ماں ہے تو دنیا ہے ورنہ زندگی ادھوری ہے۔ مذہب ہو یا معاشرہ ماں کا لفظ آتا ہے تو باادب ہونے کا اشارہ مل جاتا

ہے۔ اللہ تعالی نے ماں کے قدموں کے نیچے جنت رکھ کر بتادیا کہ کیا درجہ ہے ماں کا۔ ماں بڑا پیارا لفظ ہے جسے انسان اپنے دل کی گہرایوں سے ادا کرتا ہے۔ بچپن سے لیکر عمر کے ہر مرحلے میں وہ ماں کی ممتا کا محتاج رہتا ہے۔ اپنی حاجتوں کی تکمیل کے لئے اسی سے توقع رکھتا ہے۔ ماں کے بغیر گھر سنسان اور زندگی ویران ہوتی ہے۔ برکت کا راستہ ماں باپ کی خدمت سے ہی آسان ہوتا ہے۔

یہی وجہ ہے کہ ۔۔اللہ تعالی قُرآن پاک میں فرماتے ہیں۔ ترجمہ۔ تمہارے رب نے فیصلہ کر دیا ہے (فرض کر دیا ہے) کہ اس اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ حُسن سلوک سے پیش آؤ اگر ان میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہارے سامنے بوڑھاپے کو پہنچ جائیں تو انہیں اُف تک نہ کہو اور نہ انہیں جھڑکو، اور تم ان دونوں سے نرمی اور شفقت سے بات کیا کرو۔ آپ سوچئے ماں کا درجہ کیا ہے، کیا رتبہ ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں جہاد کرنا چاہتا ہوں لیکن اس کی قدرت نہیں۔ رسول اللہ نے دریافت فرمایا: کیا تمہارے والدین میں سے کوئی زندہ ہے؟

اس شخص نے کہا ہاں میری والدہ زندہ ہے۔ رسول اللہ نے ارشاد فرمایا" ان کے ساتھ نیکی اور حسن سلوک کر کے اللہ تعالی سے ملو، اگر تم نے ایسا کیا تو تم حج کرنے والے، عمرہ کرنے والے اور جہاد کرنے والے (کی طرح) ہو ایک اور روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک شخص نے دریافت کیا یا رسول اللہ ﷺ ! میرے حُسن سلوک کا سب سے زیادہ مستحق کون ہے فرمایا ”تیری ماں“ پوچھا ”پھر کون“ فرمایا۔ ” تیری ماں“ اُس نے عرض کیا۔۔ پھر کون۔ فرمایا ۔۔ ”تیری ماں“ تین دفعہ آپ نے یہی جواب دیا۔ چوتھی دفعہ پوچھنے پر ارشاد ہوا۔ تیرا باپ۔

ایک بار ایک صحابی حضور نبی کریم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا۔ یا رسول اللہ! میں نے اپنی ماں کو اپنے کاندھوں پر بٹھا کر حج کروایا ہے، کیا میں نے ماں کا حق ادا کر دیا؟ آپ نے فرمایا۔ نہیں ،تُو نے ابھی اپنی ماں کی ایک رات کے دودھ کا حق بھی ادا نہیں کیا۔ انسانیت کا عکس ”ماں“ ہے، ماں دنیا کی سب سے بڑی دولت ہے۔ دنیا کے عظیم دانشوروں اور مفکرین نے بھی ماں کو کچھ اس انداز میں یاد کیا ہے کہ ان کے الفاظ دنیا کے لئے ایک مشعل راہ بن گئے ہیں یونانی فلسفی افلاطون نے کہا تھا کہ ۔۔اس بات سے ہمیشہ ڈرو کہ ماں نفرت سے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے۔ ایک اور عظیم یونانی فلسفی ارسطو کے الفاظ کچھ اس طرح ہیں کہ ”۔ ماں سے ہمدردی کی توقع رکھنے کی بجائے ماں کا ہمدرد ہونا چاہئے“۔ مشہور انگلش شاعر اور ڈرامہ نگار شکسپیئر نے کہا تھا کہ ”۔ بچے کے لئے سب سے اچھی جگہ ماں کا دل ہے“۔ دنیا میں حکمت کے شہنشاہ مانے جانے والے حکیم لقمان نے ماں کی تعریف کچھ اس انداز

میں کی تھی کہ ''۔اگر مجھے ماں سے جدا کر دیا جائے تو میں پاگل ہو جاؤں گا۔' مغل دور میں اکبر بادشاہ نے ماں کی عظمت کو کچھ ان الفاظ میں یاد کیا تھا کہ '۔ہر شخص انسانیت کی حقیقی تصویر اپنی ''ماں'' کے چہرے پر دیکھ سکتا ہے'۔

برصغیر میں شاعر مشرق علامہ محمد اقبال کہہ گئے کہ 'سخت سے سخت دل کو ماں کی پرنم آنکھوں سے موم کیا جا سکتا ہے'۔ ممتاز شاعر الطاف حسین حالی کے مطابق '۔ماں کی محبت حقیقت کی آئینہ دار ہوتی ہے' ۔ہندوستان کے ممتاز جنگ مجاہد ورعالم محمد علی جوہر نہ کہا تھا کہ '۔دنیا میں حسین شے صرف ماں ہے۔اور کچھ مذید دانشور فرما گے کہ ماں کی دعا جنت کی ہوا، ماں جیسی ہستی کوئی نہیں، 'ماں'' مہرو محبت، ایثار و مروت، صبر ورضا اور خلوص ووفا کی ایک روشن مثال ہے، ماں کی ممتا کا کوئی نعم البدل نہیں، ماں ایک ایسا سایہ ہے جس کے بغیر زندگی ویران ہے، ماں کی دعا اولاد کا سرمایہ ہے، ماں ایک ایسا تحفہ ہے جو اللہ نے انسان کو دیا، ماں کی محبت کبھی کم نہیں ہوتی، ماں کی شفقت اولاد کا سہارا ہے، ماں کی گود میں سکون ہے، ماں ایسا شجرِ سایہ دار ہے، جس کی گھنی چھاؤں کبھی کم نہیں ہوتی اور نہ اس پر خزاں آتی ہے، ماں اور پھولوں میں مجھے کوئی فرق نظر نہیں آتا، دنیا کا کوئی رشتہ ماں سے پیارا نہیں، ماں کی گود انسانیت کا سب سے پہلا مکتب ہے۔یہ تہذیب و شائستگی کا گہوارہ اور کائنات کا سب سے پُر خلوص رشتہ ہے، آسمان کا بہترین اور آخری تحفہ ماں ہے، محبت کی ترجمانی کرنے والی اگر کوئی چیز ہے تو وہ صرف ماں ہے، نبی پاک صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا قسم اس خدا کی کہ جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث کیا، ایک رات ماں کی خدمت میں رہنا راہ خدا میں ایک سال جہاد کرنے سے بہتر ہے۔اے لوگو جان لو کہ اس کار خانہِ سود وزیاں کی تمام زینتیں اور زیبائیاں وجودِ مادر ہی کی بدولت ہیں. ماں کی آہِ نیم شبی عرشِ بریں کو ہلا دیتی ہے اوراس کی دعائیں خداوندِ تعالی کے درِ اجابت پہ دستک دیتی ہیں خدا اگر دیدہ بینا دے تو ماں کے گارے میں لتھڑے ہوئے کپڑے خلعتِ شاہی سے زیادہ قیمتی نظر آتے ہیں، ماں آٹا گوندھ رہی ہو تو اُس کے وہ ہاتھ تقدیر مبرم کو ٹالنے کی قدرت رکھتے ہیں' ماں لوریاں دے رہی ہو تو اس کے لہجے میں ملائک محوِ گفتار نظر آتے ہیں، ماں کا دل اداس ہو تو جنت کے شگوفے مرجھانے لگتے ہیں، ماں دامن پھیلا دے تو خدا اپنی جنت کی ساری نعمتیں اُس میں انڈیل دیتا ہے، ماں اپنے بچے پر میلا آنچل ڈال دے تو رحمت خداوندی گھٹا بن کر چھا جاتی ہے اور اللہ نہ کرے ماں کی نگاہ غضب آلودہ ہو جائے تو عرش الٰہی تھر تھر کانپنے لگتا ہے، ماں کے آبگینہِ محبت کی لطافت اور دل کی شفافیت کے آگے گلاب کی پنکھڑی اور کنول کے پھول کی بھی کوئی حیثیت نہیں رہتی۔ماں محبت و شفقت کا وہ حسین شاہکار ہے جو اولاد کے تئیں بے غرض ہمدردیوں اور بے لوث اُلفتوں کا ایک روشن مینار ہے. لاریب ہماری ملت کی ندی میں ہر

پیچ و تاب ''ماں'' سے ہے۔اس ندی میں موج، گرداب اور بُلبلے اسی وجود کے باعث ہیں۔ماں کے پیار کا شمار حدِ امکاں سے باہر ہے. ماں کی محبت و ممتا عالم میں ایک مثال ہے،ماں کی محبت وہ گہرا سمندر ہے، جس کی گہرائی کو آج تک کوئی ناپ نہ سکا اور نہ ناپ سکے گا۔ماں کی محبت وہ ہمالیہ پہاڑ ہے کہ جس کی بلندیوں کو کوئی آج تک چھو نہ سکا اور نہ چھو سکے گا۔ماں کی محبت وہ سدا بہار پھول ہے جس پر کبھی خزاں نہیں آتی مگر افسوس اس بات کا ہے کہ آج پُر آسائش زندگی، مادیت کی دوڑ دھوپ اور خوب سے خوب تر طرز زندگی کی تلاش اور سوشل میڈیا میں ڈوبے نوجوان جو چند لمحات بھی ماں باپ کو نہیں دیتے ہائے افسوس ان خرافات نے ہم سے اپنی ماؤں کا احساس چھین لیا ہے۔ اے نوجوانانِ امت مسلمہ اور بلخصوص پاکستانی نوجوانوں غور کرو! ایک دفعہ حضرت موسیٰ کلیم اللہؑ نے اللہ سے سوال کیا کہ پروردگار، جنت میں میرا رفیق کون ہے؟ میرا پڑوسی کون ہوگا! جواب ملا، موسیٰؑ، وہ ایک قصاب ہے، جو فلاں بستی میں رہتا ہے، یہ سن کر موسیٰ علیہ السّلام اس قصاب کی تلاش میں نکل پڑے، تاکہ یہ جان سکیں کہ وہ کون سا عمل ہے، جس کی بدولت اللہ تعالیٰ نے اس قصاب کو اتنا بلند اور ممتاز مقام عطا فرمایا ہے کہ اسے ایک نبی کا ہمسایہ بنایا ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السّلام سے ملاقات اور ان کی بات سن کر وہ انہیں اپنے گھر لے آیا۔ بعد ازاں موسیٰ علیہ السّلام نے دیکھا کہ اس نے اپنی ضعیف العمر ماں کو انتہائی ادب و احترام سے سہارا دیا، منہ کو صاف کیا، اپنے ہاتھوں سے کھانا کھلایا، تب اس کی ماں نے اسے دعا دی کہ اللہ تجھے جنت میں موسیٰؑ کا پڑوسی بنائے۔ یہ نہ کوئی بہت بڑا عابد و زاہد تھا، نہ عالم، نہ صوفی، نہ غازی، نہ مجاہد، تاہم اسے یہ بلند مقام ماں کی خدمت، اطاعت اور اس سے حُسنِ سلوک کے صلے میں ملا تھا۔

ناجانے آج بھی کتنی مائیں اپنے لاڈلوں کی خاطر نیندیں حرام کر رہی ہونگی اور کتنی مائیں بچوں کے منہ سے لفظ ''ماں'' سننے کے لئے تڑپ رہی ہوں گی.. لہذاء ہمیں ماں کی عظمت کا بھولا ہوا سبق ایک بار پھر عمیق قلب سے دہرانے کی ضرورت ہے.. اسی میں ہماری دنیا و آخرت کی کامیابی ہے. آج 16 جون میری ماں کے وصال کا دن ہے (ویسے اسلامی کیلنڈر کے مطابق 27 رمضان تھا تب) میں اپنی ماں کی یاد میں مہو تھا تو یہ چند الفاظ کو جمع کر دیا اللہ سب کی ماؤں کو سلامت رکھے اور جن کی وصال کر چکی ہیں اُنہیں جنت الفردوس میں اعلی مقام عطا فرمائے آمین۔

شجرکاری ایک دینی وقومی فریضہ

ارشاد اقبال اعوان

اللہ تعالیٰ نے زمین کو انسان کے لیے ایک خوبصورت اور پُرامن مسکن بنایا ہے، مگر جب انسان فطرت کے نظام کو بگاڑتا ہے تو قدرتی آفات، جیسے سیلاب، زلزلے، طوفان وغیرہ، اُس کی زندگی کو خطرے میں ڈال دیتے ہیں۔ وطن عزیز میں سیلاب ایک بڑی تباہی کی صورت اختیار کر چکا ہے۔ پاکستان جیسے ترقی پذیر ممالک میں ہر سال سیلاب کی وجہ سے ہزاروں لوگ بے گھر ہو جاتے ہیں، کھیت کھلیان تباہ ہو جاتے ہیں، اور قیمتی جان و مال کا نقصان ہوتا ہے۔ سیلاب کی وجوہات میں بارشوں کی شدت، گلیشئرز کا پگھلنا، دریاؤں کا بند ٹوٹنا اور سب سے بڑھ کر درختوں کی بے دریغ کٹائی شامل ہے۔ درخت قدرت کا وہ عظیم عطیہ ہیں جو زمین کو سنبھال کر رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سیلاب کی روک تھام کے لیے درخت لگانا بے حد ضروری ہے۔ درخت زمین کی خوبصورتی اور فضائی آلودگی کے خاتمے کے ساتھ ساتھ انسانی زندگی کی بقاء کے ضامن ہیں۔ درخت محض آکسیجن فراہم نہیں کرتے، بلکہ وہ ایک مکمل ماحولیاتی نظام کو متوازن رکھتے ہیں۔ ان کے بغیر زمین بنجر، ماحول آلودہ، اور موسم غیر متوازن ہو جاتے ہیں۔

قرآن وحدیث میں درختوں کی اہمیت

جب زمین کا سینہ چیرا جاتا ہے، پہاڑوں کے درخت کاٹے جاتے ہیں، ندی نالوں کو بے قابو چھوڑ دیا

جاتا ہے، اور انسان ترقی کے نام پر فطرت کے توازن کو بگاڑتا ہے، تو اس کے نتیجے میں جو تباہی آتی ہے اسے ہم سیلاب کے نام سے جانتے ہیں۔

آج پاکستان سمیت دنیا بھر میں موسمی تغیر، طوفانی بارشیں، ندیوں کی طغیانی، کھیتوں کی بربادی، گھروں کا بہہ جانا، لاکھوں لوگوں کا افراد کا بے گھر ہونا — یہ سب کچھ کسی حد تک انسانی کوتاہیوں اور فطرت سے بغاوت کا نتیجہ ہے.

مگر سوال یہ ہے: کیا ہمیں اس صورتحال سے بچنے کا کوئی حل اسلام نے دیا ہے؟

جی ہاں! ہمارے پیارے نبی کریم ﷺ نے صدیوں پہلے وہ رہنما اصول دے دیے تھے، جو آج کے ماحولیاتی بحران کا بہترین علاج ہیں۔

آیئے قارئین کرام قرآن واحادیثِ نبوی ﷺ کی روشنی میں ایک جامع راستہ تلاش کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں بار بار زمین، پانی، نباتات اور درختوں کا ذکر فرمایا، جو انسانی زندگی کی بنیادی نعمتیں ہیں

وَفِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّ جَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّ زَرْعٌ وَّ نَخِیْلٌ صِنْوَانٌ وَّ غَیْرُ صِنْوَانٍ یُّسْقٰی بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَ نُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰی بَعْضٍ فِی الْاُكُلِ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ (سورہ الرعد ایت مبارکہ 4).

اور زمین میں (مختلف قسم کے) قطعات ہیں جو ایک دوسرے کے قریب ہیں اور انگوروں کے باغات ہیں اور کھیتیاں ہیں اور کھجور کے درخت ہیں، جھنڈ دار اور بغیر جھنڈ کے، ان (سب) کو ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے، اور (اس کے باوجود) ہم ذائقہ میں بعض کو بعض پر فضیلت بخشتے ہیں، بیشک اس میں عقل مندوں کے لئے (بڑی) نشانیاں ہیں.

درخت لگانا صدقہ جاریہ ہے

نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

جب کوئی مسلمان درخت لگاتا ہے یا کھیتی باڑی کرتا ہے اور اس میں سے انسان، جانور یا پرندہ کچھ کھاتا ہے تو یہ اس کے لیے صدقہ ہے۔

(بخاری: 2320، مسلم: 1552۔)

یہ حدیث مبارکہ ہمیں بتاتی ہے کہ درخت لگانا صرف ایک سماجی یا زرعی عمل نہیں، بلکہ ایک دینی عمل ہے صدقہ، نیکی، اور قیامت کے بعد بھی ثواب جاری رکھنے والا عمل۔

جب ایک درخت بارش سے ہونے والی تباھی کو روکتا ہے، پانی جذب کرتا ہے، زمین کو مضبوطی دیتا ہے، جانوروں کے لیے پناہ بنتا ہے، تو اس سے نہ صرف ماحول محفوظ ہوتا ہے بلکہ انسانوں کی زندگیاں بھی بچتی ہیں اور اس کا فائدہ درخت لگانے والے کے نامہ اعمال میں صدقہ بن کر لکھا جاتا ہے

قیامت کی گھڑی میں بھی پودا لگانا

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اگر قیامت قائم ہو رہی ہو اور کسی کے ہاتھ میں ایک پودا ہو، اور وہ اسے لگا سکتا ہو تو ضرور لگا دے۔

(مسند احمد)

یہ حدیث پاک دنیا کو امید، عمل اور مثبت طرزِ فکر کا پیغام دیتی ہے۔ قیامت جیسے کڑے وقت میں بھی پودا لگانے کا حکم ہمیں سکھاتا ہے کہ درخت لگانا کبھی ضائع نہیں جاتا۔ س حدیثِ مبارکہ میں ماحولیات، خدمتِ خلق اور عمل کے جذبے کی عظیم تعلیم دی گئی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں یہ پیغام دیا کہ خواہ حالات کتنے ہی نازک اور آخری کیوں نہ ہوں، نیکی کا عمل ترک نہیں کرنا چاہیے۔ درخت لگانا ایک ایسا عمل ہے جو انسانوں، جانوروں اور ماحول سب کے لیے فائدہ مند ہے۔ قیامت جیسے ہولناک منظر میں بھی پودا لگانے کا حکم دینا اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام میں مثبت عمل کی حوصلہ افزائی آخری لمحے تک کی گئی ہے۔ اس حدیث سے ہمیں یہ سیکھنے کو ملتا ہے کہ امید، خدمت، اور بہتری کی سوچ کبھی ترک نہ کی جائے، چاہے دنیا کے حالات کتنے ہی مایوس کن کیوں نہ ہوں۔

سائنسی نکتہ نظر: درخت اور سیلاب کی روک تھام

سائنس دانوں اور ماہرینِ ماحولیات کے مطابق درخت سیلاب کو کنڑول کرنے کے قدرتی آلے ہیں۔ (Natural Flood Barrier) ہیں۔

1. درخت پانی جذب کرتے ہیں
2. درختوں کی جڑیں بارش کا پانی زمین میں جذب کر کے سطحی بہاؤ کو کم کرتی ہیں، جس سے نالے اور دریا فوراً نہیں بھرتے۔
3. زمین کا کٹاؤ روکتے ہیں
4. درختوں کی جڑیں زمین کو باندھ کر رکھتی ہیں، جس سے زمین ندیوں میں بہنے سے بچ جاتی ہے۔ خاص طور پر پہاڑی علاقوں میں درخت نہ ہونے کی وجہ سے زمینی تودے اور لینڈ سلائیڈنگ عام ہوتی ہے۔

درخت آبی چکر (Water Cycle) کو متوازن رکھتے ہیں

درخت آبی چکر (Water Cycle) کو متوازن رکھنے میں نہایت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ وہ زمین سے پانی جذب کرتے ہیں اور اپنے پتوں کے ذریعے بخارات کی صورت میں فضا میں چھوڑتے ہیں، جس سے تبخیر (evaporation) کا عمل بڑھتا ہے اور بادل بننے میں مدد ملتی ہے۔ درخت بارش کے پانی کو زمین میں جذب کرنے میں بھی مدد دیتے ہیں، جس سے زیرِ زمین پانی کے ذخائر محفوظ

رہتے ہیں اور سیلاب کا خطرہ کم ہوتا ہے۔ ان کے سائے اور جڑوں کا نظام زمین کی نمی کو محفوظ رکھتا ہے اور درجہ حرارت کو متوازن بناتا ہے۔ اس طرح درخت آبی چکر کے تمام مراحل کو سہارا دیتے ہوئے ماحول میں توازن برقرار رکھتے ہیں۔

درخت اور عالمی حدت (Global Unity)

درخت (Global Warming) کو کم کرتے ہیں، جو آج کل غیر متوقع بارشوں اور سیلابوں کی بڑی وجہ ہے۔ درخت نہ صرف زمین کے ماحولیاتی نظام کے تحفظ کا ذریعہ ہیں بلکہ عالمی وحدت (Global Unity) کی علامت بھی ہیں۔ جیسے درخت زمین میں جڑیں مضبوط کرتے ہیں، ویسے ہی انسانیت کو بھی اپنی بنیادیں امن، احترام اور باہمی یگانگت پر استوار کرنی چاہییں۔ مختلف قوموں، مذاہب اور ثقافتوں سے تعلق رکھنے والے لوگ درخت کی مانند ایک ہی فطری نظام کا حصہ ہیں، اور درخت ہمیں سکھاتے ہیں کہ بقاء اور خوبصورتی تب ہی ممکن ہے جب ہم سب مل کر، ایک دوسرے کے ساتھ جُڑے رہیں۔ لہٰذا درخت عالمی وحدت، باہمی احترام اور مشترکہ ذمے داری کا استعارہ بن کر ہمیں ایک بہتر اور پُرامن دنیا کی طرف دعوت دیتے ہیں۔ تو پھر آج جب ہماری زمین پر سیلاب آرہے ہیں، جانیں ضائع ہورہی ہیں، معیشت کمزور ہورہی ہے، ہم کیوں خاموش بیٹھے ہیں۔

حاصل کلام

درخت لگانا صرف ایک ماحولیاتی عمل نہیں بلکہ قرآن وسنت کی روشنی میں عبادت، صدقہ جاریہ، اور ایک اجتماعی فلاح کا ذریعہ ہے۔ جب ہم درخت لگاتے ہیں تو ہم زمین پر زندگی کی سانس بحال کرتے ہیں، آفاتِ ارضی جیسے سیلاب کی شدت کو کم کرتے ہیں، اور اپنی نسلوں کو ایک محفوظ مستقبل کی ضمانت دیتے ہیں۔ آج انسانیت کو ایسے ہی اعمال کی ضرورت ہے جو روحانی، سائنسی اور سماجی ہر پہلو سے خیر کا سبب بنیں۔ درخت لگانا دین کا حکم بھی ہے اور سائنس کی ضرورت بھی ہے، یہ صدقہ جاریہ بھی ہے اور ماحول کی حفاظت بھی، یہ انسانیت کی خدمت بھی ہے اور سیلاب سے بچاؤ بھی۔ ہم سب کو اپنا کردار ادا کرنا ہوگا۔ اگر ہر فرد صرف ایک درخت بھی لگادے تو مستقبل کے سیلابوں، خشک سالیوں اور ماحولیاتی بگاڑ سے ملک کو بچایا جاسکتا ہے۔ درخت لگائیں، ملک وملت کو قدرتی آفات سے بچائیں... سنت نبوی ﷺ پر عمل کریں اور قوم وملت کی زندگی کا تحفظ کریں۔ ہم کیوں درخت لگانے کو صرف باغبانی سمجھتے ہیں؟ یہ تو ملکی سلامتی کا دفاع ہے۔

VALOR, FIRMNESS & COURAGE OF WOMEN IN KARBALA

SADAF MAQBOOL

INTRODUCTION

The tragic event of Karbala, which occurred on the 10th of Muharram, 61 AH (October 680 AD), stands as a beacon of truth and resistance in Islamic history. While the focus often remains on the unmatched sacrifice of Imam Hussain (AS) and his male companions, the remarkable valor, steadfastness, and spiritual courage exhibited by the women of Karbala is equally profound. Their presence, resilience, and post-battle activism helped immortalize the message of Karbala and transformed the participants of the battle into symbols of divine resistance and moral strength.

This article aims to explore the pivotal role of women in Karbala, highlighting their sacrifices, speeches, emotional resilience, and

contributions to the preservation and dissemination of the message of Imam Hussain (AS).

WOMEN AT THE HEART OF THE KARBALA MOVEMENT

Karbala was not a battlefield of traditional warriors alone; it was a stage for an ethical revolution where both men and women stood shoulder to shoulder in defense of truth and justice. The caravan of Imam Hussain (AS) included not only valiant men but also women who consciously chose to accompany him, fully aware of the looming danger. These women were not bystanders but active participants in a moral revolution.

Their courage was not limited to the battlefield. It was expressed through unwavering faith, dignified endurance, and eloquent defiance against injustice. They upheld the values of Islam at a time when tyranny and falsehood threatened to distort the teachings of the Prophet Muhammad (SAW).

SAYYIDA ZAINAB (SA) THE VOICE THAT SHOOK TYRANNY

Sayyida Zainab (SA), the sister of Imam Hussain (AS), emerged as the central female figure of Karbala. Her unmatched resilience and eloquence in the face of oppression earned her the title of "Messenger of Karbala" . The aftermath of Karbala is as significant as the battle itself. The women, led by Sayyida Zainab (SA), turned the humiliating procession from Karbala to Kufa and then to Damascus into a journey of enlightenment.

Despite being shackled, starved, and paraded as captives, they never ceased to speak truth to power. It was Sayyida Zainab (SA) who led the caravan of captives. Her famous sermon in the court of Yazid in Damascus remains one of the most powerful indictments of tyranny in history. She fearlessly declared:

"Do you imagine, O Yazid, that you have succeeded in closing the heavens and the earth for us and that we have become your captives, just because we have been brought here in a group? Do not be so proud. The days are governed by fate, and soon you will be judged by Allah."

Despite being a grieving sister and mother, she stood firm with clarity and strength, dismantling Yazid's propaganda and exposing the true nature of his regime. Through her sermons in Kufa and Damascus, she transformed public perception and ensured that the sacrifices of Karbala would never be forgotten. Their speeches dismantled the propaganda machinery of the Umayyad regime.

By the time they reached Damascus, public opinion had begun to shift. People who were initially misled into thinking that Imam Hussain was a rebel realized the gravity of Yazid's crimes. The captive women became revolutionaries, awakening the conscience of the Muslim Ummah.

HAZRAT UMME RABAB (SA)
DIGNITY IN THE FACE OF HEARTBREAK

Hazrat Umme Rabab (SA), the wife of Imam Hussain (AS), endured one of the most heartbreaking tragedies at Karbala—the martyrdom of her six-month-old infant, HazratAli Asghar (AS). The baby was mercilessly killed with a three-pronged arrow while in his father's arms.

Despite the unimaginable loss, Hazrat Umme Rabab(SA) did not collapse under sorrow. Her composed grief, dignified mourning, and unwavering loyalty to the mission of Imam Hussain (AS) remain inspirational. After returning to Medina, she refused the comforts of life and chose to live in mourning, rejecting proposals of remarriage and enduring the sun's heat as a symbolic gesture of solidarity with her martyred husband.Her silent strength speaks volumes, making her an embodiment of faith and maternal valor.

Hazrat Umm Wahab (RA): A Mother's Revolutionary Spirit

Among the lesser-known yet highly courageous women of Karbala is Umm Wahab (RA), the mother of Wahab ibn Abdullah al-Kalbi (RA), a Christian convert who embraced Islam and sacrificed his life for Imam Hussain (AS). Not only did she encourage her son to fight, but she also requested permission to join him on the battlefield—an offer respectfully declined by the Imam.

When her son was martyred, she demonstrated unparalleled resolve. Even when Wahab's severed head was thrown toward her, she picked it up, kissed it, and exclaimed:

"Well done, my son! You have honored me before the Lady of Light, Syeda Fatima Zahra (SA)."

Her stance exemplifies the universal appeal of Karbala—cutting across religious, ethnic, and cultural lines—and the inspirational power of motherhood rooted in truth.

HAZRAT UMM KALTHUM (SA)
THE GENTLE STRATEGIST

Hazrat Umm Kulthum (SA), another daughter of Imam Ali (AS) also known as Zainab e Sughra (SA), was a source of solace and emotional strength for the women and children. Though less publicly prominent than Sayyida Zainab (SA), her presence was essential to maintaining unity and hope during and after the tragedy.

Historical narrations suggest her engagement in negotiations to prevent further harm and her efforts to protect the children during the journey of captivity. Her balanced temperament and quiet leadership represent a different, yet equally essential form of courage—rooted in compassion and wisdom. She accompanied her elder sister and strengthened her to fight through bold speeches in the markets, stops and in front of Yazid. She

herself was an eloquent speaker and jurisprudent but her reverence towards her elder sister would always keep her one step behind Syeda Zainab (SA) and she remained silent in the presence of her elder sister. After the tragedy of Karbala, when the caravan of Ahl ul Bait (AS) was allowed to travel back to Madinah, it passed from Kufa and that was the time when the younger daughter Imam Ali (AS) shook the hearts of Kufi`s by openly shaming them for betraying Imam Hussain (AS) and killing Hazrat Muslim bin Aqeel (RA).

SYEDA SAKINA BINT HUSSAIN (AS) INNOCENCE IN CHAINS

Syeda Sakina (SA) (also known as Sukayna), the young daughter of Imam Hussain (AS), is perhaps one of the most tragic and tender figures of Karbala. Though only a child, she bore the full weight of grief and captivity with unmatched composure.

The night before Ashura, she is famously reported to have wept while resting on her father's chest, asking him not to go to battle. After his martyrdom, she was seen crying over his head, which had been placed on a spear. Despite her young age, Sakina (SA) became a symbol of spiritual resistance. She didn't allowed soldiers of Yazeed to touch her neck to loose the rope in her neck maintaining the chastity of her lineage. She never asked the oppressor for water instead of her endless thirst. Her suffering in Yazid's dungeon and her eventual death from grief further emphasize the cruelty of the oppressors and the innocence of Karbala's martyrs. Her story remains a moving example of how even children became carriers of the Karbala message. Her life reminds us that courage is not bound by age.

CAPTIVITY TURNED INTO A PULPIT OF RESISTANCE

The journey from Karbala to Kufa and Damascus was filled with humiliation and pain, but the women of Karbala, especially Sayyida Zainab (SA), turned every stop into a platform for awakening. Instead of remaining silent captives, they used their voices to expose the atrocities committed against the household of the Prophet (SAW). Their sermons became spiritual revolutions, planting seeds of resistance that would grow for generations. The eloquence of Sayyida Zainab (SA), the calm dignity of Rabab, and the mourning innocence of Sakina shook the conscience of the Islamic world and transformed public opinion against Yazid.

THE REDEFINITION OF COURAGE

In Karbala, bravery was not confined to the battlefield. The women of Karbala redefined courage—proving that true bravery lies in:

- Upholding faith under pressure
- Speaking truth to power
- Mourning with dignity
- Resisting tyranny without physical weapons

Their courage was rooted in their intimate connection with the divine mission of Imam Hussain (AS) and their absolute submission to the will of Allah (SWT).

LEGACY & INSPIRATION FOR MUSLIM WOMEN

The legacy of Karbala's women transcends time and geography. Throughout Islamic history, their stories have inspired movements of resistance, educational reform, and spiritual revival. In modern times,

women in Islamic societies continue to draw strength from their examples—whether in activism, education, or personal sacrifice. Annual commemorations of Ashura and Arbaeen are replete with the mention of these women's stories. Their courage is not merely remembered; it is emulated. They are not mourned as victims but celebrated as heroines who carried the torch of Islam through darkness.

CONCLUSION

The women of Karbala were not passive figures in a historical tragedy; they were pillars of the Husayni revolution. Their valor, firmness, and courage continue to resonate across centuries. Through tears and trials, through chains and sermons, they carried forward the message of Imam Hussain (AS): that truth must be upheld, no matter the cost.

In a world still rife with injustice, oppression, and spiritual confusion, the legacy of the women of Karbala is a guiding light. May we not only honor them with our remembrance but strive to embody their virtues in our lives—standing with the oppressed, resisting falsehood, and living with dignity, courage, and unwavering faith.

سیرت وفضائلِ نبوی ﷺ کے ذکرِ جمیل پر مشتمل عظیم ذخیرۂ علم

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری کی گراں قدر تصانیف

Monthly
DUKHTARAN-E-ISLAM
AUG-2025
LAHORE
Regd CPL No.45